ہم بھی وفا نبھائیں گے.....فرزانہ مغل

سید مکرم علی شاہ نے صبح کا اخبار پڑھنے کے لئے سینٹر ٹیبل سے اٹھایا تو معاً ساتھ پڑے میگزین کو دیکھ کر بری طرح چونکے تھے۔ اخبار ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ ٹیبل پر گر گیا تھا۔ انہوں نے بڑی سرعت سے میگزین اٹھایا' پہلے تو انہیں یہ سب اپنی نظروں کا دھوکہ لگا لیکن جب میگزین کے خوبصورت سرورق کو قریب سے بغور دیکھا تو وہ دھوکہ حقیقت بن کر ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ سرورق پر انتہائی حسین دوشیزہ فل میک اپ میں جدید لباس زیب تن کئے اپنے حسین سراپے کی بہاریں دکھا رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو ان کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں اور ذہن چکرا کر رہ گیا۔ انہوں نے جلدی سے اندرونی صفحات کھول کر دیکھے تو وہ حسین دوشیزہ اندر بھی اسی طرح کے ملبوسات میں قیامت خیز پوز دیتے ہوئے نظر آ رہی تھی۔

یکلخت سید مکرم علی شاہ نے میگزین ٹیبل پر پٹخا ان کا خاندانی خون جلال میں آ گیا تھا۔ مارے غصے کے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انہوں نے فوراً موبائل سائیڈ سے نکال کر ایک نمبر ملایا تھا لیکن دوسری طرف سے موبائل آف ملا۔ اس صورت حال پر انہیں مزید غصہ آنے لگا تھا۔ بیڈ سے اٹھ کر ہاتھ میں موبائل تھامے وہ بیڈ روم میں ادھر ادھر ٹہلنے لگے تھے تقریباً دس منٹ بعد پھر انہوں نے نمبر ملایا اس بار انہیں رسپانس ملا تھا۔

دوسری طرف سے ''ہیلو'' بھی جیسے انتہائی مصروفیت سے وقت نکال کر کہا گیا ہو۔

''تمہارا باپ بات کر رہا ہوں۔'' سید مکرم علی شاہ بیٹے کی عدم توجہی پر غصہ اور جھلاہٹ میں اپنا تعارف کروا بیٹھے تھے۔

''اوہ' سوری بابا جان' السلام علیکم' اصل میں ابھی ابھی ایک میٹنگ سے فارغ ہوا ہوں بغیر نمبر چیک کئے موبائل اٹھا لیا تھا۔'' اس سے پہلے کہ اپنی عدم توجہی پر ایس پی سید معظم علی شاہ کو باپ کی طرف سے ڈانٹ پڑتی اس نے فوراً وضاحت کر دی تھی۔

''کیا' ابھی تک آفس میں ہو۔'' سید مکرم علی شاہ کچھ نارمل ہوئے تھے۔

''جی' ایک اہم میٹنگ تھی۔'' معظم علی شاہ نے پھر وضاحت دی تھی۔

''اچھا' ایسا کرو تم میگزین ابھی منگوا کر دیکھو انہوں نے ہفتہ وار میگزین کا نام لے کر بیٹے کو گویا حکم دیا تھا۔

''کیوں' خیریت تو ہے؟'' اس کا دھیان ان کے سیاسی حریفوں کی طرف گیا تھا کہ کہیں کسی نے ان کے خلاف الٹی سیدھی خبر نہ چھپوا دی ہو۔

''پہلے تم میگزین منگوا کر دیکھو پھر مجھے مشورہ دینا کہ اب میں کیا کروں۔ میں انتظار کر رہا ہوں تمہارے فون کا۔'' انہوں نے مبہم سے انداز میں کہتے ہوئے موبائل آف کر دیا تھا۔

''اُلو کا پٹھا' اتنی بڑی پوسٹ پر بیٹھا ہے لیکن اردگرد سے گویا آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ احمق کہیں کا۔'' مکرم علی شاہ بڑبڑاتے ہوئے راکنگ چیئر پر بیٹھے تھے۔ بیٹے سے انہوں نے بڑے ضبط سے بات کی تھی لیکن اب پھر ان کا غصہ عود کر آیا تھا جو وہ اسی پر اتارنے لگے تھے۔

''معاً بیڈ روم میں داخل ہوتیں زیب النساء نے ان کی تمام بڑبڑاہٹ بغور سنی تھی۔ وہ انہیں شام کی چائے لگنے کی اطلاع دینے آئی تھیں۔

''سید صاحب' یہ اُلو کا پٹھا اور احمق کون ہے؟'' وہ ان کے نزدیک آتے ہوئے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں گویا ہوئیں۔

''تمہارا لاڈلہ' اور کون۔'' سید مکرم علی شاہ بگڑ کر بولے تھے۔

''اکلوتا بیٹا ہے ہمارا' کوئی پانچ چھ بیٹے نہیں ہیں ہمارے' اوپر سے وہ گھر بار سے دور دوسرے شہر میں بیٹھا ہے' اس کے باوجود آپ اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔'' زیب النساء خفگی سے گویا ہوئیں اور ان کے سامنے بیڈ کے کونے پر ٹک گئیں۔

''گھر سے دور وہ اپنی جاب کی وجہ سے ہے' مجھے اس کا یہ پروفیشن کبھی پسند نہیں تھا۔ کہا بھی تھا کہ سیاست میں آ جاؤ..... تمہارے آباؤ اجداد شروع سے اسی میں ہیں چلو سیاست اسے پسند نہیں تو اپنا بزنس سنبھالے جو میں نے دوسروں کے حوالے کیا ہوا ہے۔ لیکن یہ آج کی نوجوان نسل اپنے بزرگوں کی کہاں مانتی ہے۔'' مکرم علی شاہ اسوقت کسی اور کا غصہ معظم علی شاہ پر اتار رہے تھے۔

''اچھا' اب آپ مجھے یہ بتا دیں' سید صاحب کہ اصل بات کیا ہے؟'' زیب النساء اتنا تو سمجھ گئی تھیں کہ کوئی بڑا مسئلہ ہے اسی لئے نرمی سے گویا ہوئیں۔

''یہ دیکھو۔'' انہوں نے سینٹر ٹیبل سے میگزین اٹھا کر زیب النساء کو تھمایا تھا۔

''سید صاحب! یہ..... یہ..... تو اپنی نگینہ جیسی لگ رہی ہے۔'' پہلے تو وہ شوہر کی اس فرمائش پر حیران ہوئیں پھر سرورق پر بیٹھی دوشیزہ کو کسی نگینہ سے ملاتے ہوئے اس کا لباس دیکھ کر وہ کچھ اٹک اٹک کر بولی تھیں۔

''اندر کے صفحات کھول کر دیکھو۔'' انہوں نے دوسرا حکم نامہ جاری کیا تھا۔

زیب النساء نے ایک نظر شوہر کی جانب دیکھا اور میگزین کے اندر کے صفحات کھول کر دیکھنے لگیں لیکن اندر بھی وہی دوشیزہ تھی جس کا لباس انہیں کچھ نا زیبا لگا تھا۔ شوہر کے سامنے عجیب جھجک سی محسوس کرتے ہوئے انہوں نے میگزین واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''پہچانا؟'' مکرم علی شاہ نے انہیں خاموش دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

''سید صاحب! میں نے کہا ناں یہ لڑکی اپنی نگی میں بہت مل رہی ہے' اب کی بار زیب النساء نے الجھ کر ان کی جانب دیکھا تھا۔ یہ آج وہ ان سے کون سی پہیلی بجھوا رہے تھے۔

''زیب النساء بیگم نہ جانے کس دنیا میں آپ رہتی ہیں' یہ لڑکی اپنی نگینہ ہی ہے۔'' وہ ان کی سادگی پر بری طرح چڑ اٹھے تھے۔

''اچھا۔'' زیب النساء کو گویا یقین نہیں آیا تھا۔ وہ دوبارہ میگزین اٹھا کر دیکھنے لگی تھیں۔

ان کی تو سات پشتوں میں عورت کو ایسی آزادی نہیں ملی تھی جس کا استعمال نگینہ کر رہی تھی۔ معاً مکرم علی شاہ کے موبائل کی بپ بج اٹھی۔ معظم علی شاہ کا نمبر دیکھتے ہی انہوں نے موبائل کان سے لگایا تھا۔

''ہاں معظم بیٹے' اب کیا کہتے ہو؟'' انہوں نے چھوٹتے ہی بیٹے سے اس طرح سوال کیا جیسے وہ اس مسئلہ کا حل نکال کر بیٹھا ہو۔

''بابا جان' اس کی تعلیم گئی بھاڑ میں' آپ اسے واپس بلوا لیں۔'' ادھر ان کا بیٹا ان سے زیادہ غصے اور جلال میں تھا۔

''معظم بیٹے! تم جیسے سلجھے ہوئے نوجوان سے مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ کیا یہ مسئلے کا حل ہے۔'' بیٹے کے غصے نے انہیں قدرے ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''بابا جان! آپ کی بھتیجی نے ہمارے خاندان کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے اور ابھی بھی آپ اپنے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔'' سید معظم علی شاہ کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''دیکھو بیٹا! جذباتی مت بنو جتنا غصہ تمہیں آ رہا ہے اتنا ہی مجھے بھی آ رہا ہے لیکن یوں تو مسئلہ حل نہیں ہو گا۔'' سید صاحب نرمی سے گویا ہوئے تھے۔

''معذرت کے ساتھ کہوں گا بابا جان' یہ سب آپ کی ڈھیل کی وجہ سے ہوا ہے' تعلیم کی آڑ میں وہ اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے۔'' وہ جلے بھنے انداز میں انہیں الزام دے رہا تھا۔

''تم مجھے طعنے دے رہے ہو۔ جبکہ نگی کے یونیورسٹی میں داخلے پر تم نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔'' سید صاحب کے لہجے میں افسردگی اتر آئی تھی۔

''یہ گستاخی میں کیسے کر سکتا ہوں بابا جان' اور شاید مجھ سے بھول ہو گئی تھی جو میں نے اس وقت نگی کا ساتھ دیا۔'' معظم ان کے انداز پر کچھ ڈھیلا پڑا تھا۔

''معظم! افسوس تو مجھے اس بات کا ہے کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے تم چار ماہ سے اس سے غافل ہو یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟'' سید صاحب نے بھی اس کی کوتاہی کو گنوانا ضروری سمجھا تھا۔

''بابا جان..... میں اس کا باڈی گارڈ نہیں ہوں۔'' وہ بری طرح چڑ گیا تھا۔

''اچھا..... سب باتیں چھوڑو اب مجھے یہ بتاؤ کہ نگی سے کس طرح باز پرس کی جائے؟'' وہ پھر نرمی سے گویا ہوئے تھے۔

''فون پر نگی سے بات کرنا بے کار ہے آپ کراچی آ جائیں' یہ بات آمنے سامنے ہونی چاہئے۔'' معظم نے مشورہ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کل ہی آ رہا ہوں۔ یہ لو اپنی ماں سے بات کرو۔'' انہوں نے اسے جواب دیا اور موبائل زیب النساء کی سمت بڑھایا جو کافی دیر سے خاموش بیٹھیں باپ بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔

○○○

''امی جان! کیا ہوا آپ اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہیں؟ آپ تو بابا جان سے چائے کا پوچھنے گئی تھیں۔''

شہر بانو چائے کی ٹرے تھامے ہال کمرے میں داخل ہوئی جہاں زیب النساء اپنے مخصوص تخت پر تنہا بیٹھی نظر آئیں۔

شہر بانو نے چائے کی ٹرے تخت پر ہی رکھ دی اور خود بھی ایک کونے پر ٹک گئی تھی۔

''تمہارے بابا جان تو کسی کام سے باہر نکل گئے ہیں۔'' انہوں نے اپنی سوچوں سے نکل کر اپنے قریب بیٹھی شہر بانو کو جواب دیا تھا۔

''اچھا' آپ مجھے اپنی پریشانی بتائیں۔'' شہر بانو نے چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے استفسار کیا۔ زیب النساء نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ اس لڑکی سے ان کے خاندان کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا وہ سید مکرم علی شاہ کے عزیز ترین دوست کی بیٹی تھی جس کے والدین اس کے بچپن میں ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو گئے تھے جس کے بعد دو سالہ شہر بانو کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا یوں وہ سید مکرم علی شاہ اور زیب النساء کی سرپرستی میں آ گئی اور اس کی پرورش زیب النساء کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ زیب النساء بیگم نے کبھی اسے اپنی اولاد سے کم نہیں جانا تھا۔ بچپن میں تو شہر بانو اس حقیقت سے بے خبر تھی لیکن شعور کی منزلوں پر قدم رکھتے ہی وہ حقیقت جان گئی اور حقیقت اس سے چھپائی بھی نہیں گئی تھی لیکن اس کے باوجود شہر بانو نے سید مکرم علی شاہ اور زیب النساء کو ہمیشہ اپنے والدین کا درجہ دیا تھا۔

''امی جان! میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' شہر بانو نے انہیں گہری سوچ میں گم دیکھ کر پھر پکارا تھا۔

''ہونا کیا ہے' بس نگی نے پریشان کر دیا ہے۔'' انہوں نے بیزار ہوتے ہوئے نگی کا کارنامہ اسے بتا دیا تھا۔ ہم نے تو اس عورت کے سائے سے بھی اسے بچایا تھا لیکن نہ جانے اس نے یہ شوق کہاں سے چرا لیا ہے۔''

''اوہ' یہ تو اس نے کچھ اچھا نہیں کیا۔'' شہر بانو ان کی سوچ سے بے خبر تاسف سے گویا ہوئی تھی۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ نگی کو ماڈلنگ کا شوق ہے کیونکہ کالج کے زمانے میں وہ ہر اس سرگرمی میں حصہ لیتی تھی جس میں اس طرح کا کام ہوتا تھا۔ اور آج کا اخبار اور میگزین ابھی تک اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا ورنہ وہ بھی نگی کا کارنامہ دیکھ چکی ہوتی۔

دوسرے دن سید مکرم علی شاہ اپنی تمام تر مصروفیات ترک کر کے اپنے باڈی گارڈ اور ڈرائیور سمیت بائے روڈ کراچی پہنچ گئے۔ اب وہ خود تو نگینہ کے ہاسٹل نہیں جا سکتے تھے اس لئے معظم کو اسے گھر لانے کے لئے کہا تھا۔

''بابا جان..... میں کبھی اس کے ہاسٹل نہیں گیا۔ آپ اپنے ڈرائیور کو بھیج کر اسے بلوا لیں۔'' معظم نے صاف انکار کیا تھا۔

سید صاحب نے بغور بیٹے کی سمت دیکھا وہ اس کے مزاج کو بھی جانتے تھے اور لاڈلی بھتیجی کا نخرہ بھی جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی لہٰذا بحث کو ملتوی کر کے انہوں نے اپنے ڈرائیور کو اسے لانے کے لئے بھیج دیا اور دانستہ موضوع بدل کر بیٹے کے ساتھ اپنی سیاسی مصروفیات پر گفتگو کرنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہنستی مسکراتی نگینہ اکبر شاہ' سید مکرم علی شاہ کے سامنے تھی۔ سلام کرتی وہ بڑے لاڈ سے ان کے گلے لگی تھی اور معظم علی شاہ اس کے یہ انداز دیکھ کر جلتا ہوا سیٹنگ روم سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔ باپ کی اس کے حق میں یہ نرمی اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

''بابا جان! آپ نے تو یوں اچانک آ کر مجھے سرپرائز دیا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ پہلی بار مجھ سے ملنے آئے ہیں۔'' اس نے اپنے فطری لاابالی پن میں کہتے ہوئے پلٹ کر معظم کی طرف بھی دیکھا تھا جو اسے نظر انداز کر کے باہر نکل چکا تھا۔

''لیکن ہم تم سے بہت خفا ہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بھرپور خفگی سے کہا تھا۔

''وہ' کیوں بابا جان۔'' نگینہ آنکھوں میں حیرت سمیٹے یا تو ان کا مطلب سمجھ گئی تھی یا پھر واقعی انجان تھی۔ وہ ان کے ساتھ ہی کشادہ صوفے پر ٹک گئی تھی۔

''نگی بیٹے' تم ہمارے عزیز ترین بھائی کی اولاد ہو' ہم نے کبھی تمہیں اپنی بھتیجی نہیں جانا ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے۔ تمہاری ہر خواہش کو مقدم جانا ہے لیکن یہ جو تم نے ماڈلنگ والی حرکت کی ہے اس سے ہمیں بے حد صدمہ ہوا ہے۔'' انہوں نے کچھ سخت طریقے سے اسے ملامت کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس کا دورانیہ ایک گھنٹے پر تھا جس میں انہوں نے اسے اپنے سید خاندان کے حسب نسب کی اونچ نیچ سمجھائی تھی۔

''سوری بابا جان' بس میں نے تو یہ کام شوقیہ کیا تھا۔ میری ایک دوست ہے' انہیں کے میگزین کے لئے میں نے کام کیا تھا۔'' نگی نے نادم ہوتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

''کیا ہم امید رکھیں کہ آئندہ تم ایسی حرکت نہیں کرو گی۔'' سید صاحب اس کی شرمندگی محسوس کر کے کچھ نرم ہوئے تھے۔

''جی۔'' نگی نے آہستہ سے کہتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔ اس کا شوق دب گیا۔ فی الحال تو اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس سے کچھ غلط ہو گیا ہے۔

''میری بیٹی بہت سمجھدار ہے۔'' اس کی سعادت مندی پر سید صاحب یکلخت پرسکون دکھائی دینے لگے تھے۔

معظم کو تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے لان میں بیٹھے ہوئے وہ دانستہ سید مکرم علی شاہ اور نگینہ کے بیچ سے نکل آیا تھا اندر جس طرح کی میٹنگ چل رہی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ کرسی کی بیک سے سر ٹکائے بیٹھا تھا۔ معاً جالی دار دروازہ کھلنے کی مخصوص آواز پر اس کی نگاہیں گھر کے اندرونی حصے کی سمت اٹھی تھیں جہاں سے سید مکرم علی شاہ نگینہ کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر لان کی سمت ہی آ رہے تھے۔

''معظم! ہم ذرا ایاز پیرزادہ (دوست) کی طرف جا رہے ہیں۔ اب آئے ہیں تو ان سے بھی ملتے جائیں۔ صبح تو ہماری واپسی ہے تم ایسا کرو نگی کو ذرا ہاسٹل چھوڑ آؤ۔'' سید صاحب نے نزدیک آتے بلند آواز میں بیٹے کو حکم دیا تھا۔

''آپ جا رہے ہیں تو خود ہی اسے چھوڑتے جائیں۔'' معظم نے مودب لہجے میں جواب دیتے ہوئے ان کے ساتھ کھڑی نگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''ہمارا روٹ دوسرا ہے۔'' وہ معظم کو گھور کر پلٹے اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے پورچ کی سمت بڑھ گئے باوردی ڈرائیور ان کے انتظار میں کھڑا تھا۔

نگی ابھی تک کھڑی تھی۔ ان کی گاڑی کو گیٹ سے باہر نکلتے دیکھ کر اس نے بھی خاموشی سے گیٹ کی سمت قدم بڑھائے تھے۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' معظم کو اپنی انا کو مار کر اسے پکارنا ہی پڑا تھا۔

''سید معظم علی شاہ..... میں اپنے ہاسٹل ٹیکسی سے بھی جا سکتی ہوں۔'' نگینہ نے پلٹ کر اسے لٹھ مار انداز میں جواب دیا تھا۔

''تم..... اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو' ادھر بیٹھو.....'' معظم تپ کر اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر دوسری کرسی پر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے براجمان ہو گیا تھا۔

''اک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' معظم نے انتہائی سنجیدگی سے کہتے ہوئے بغور اس کی سمت دیکھا تھا۔ اسکن کلر کے سوٹ میں شانوں پر دوپٹہ ڈالے اسٹیپ کٹنگ گھنے سیاہ ریشمی بال شانوں پر جھول رہے تھے۔ گلابی رنگت پر تیکھے نین نقش اس کا حسن ایک فتنہ تھا جو بغیر کسی آرائش کے بھی بجلیاں گرا رہا تھا۔ اس نے زیب النساء کے منہ سے اکثر یہ سنا تھا کہ وہ بالکل اپنی ماں جیسی ہے۔

''غلط بات مت کرو معظم۔'' نگینہ کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

''نگی' جو کام تم کر چکی ہو اس کے بعد بھی مجھ سے نرمی کی توقع رکھتی ہو۔'' معظم کے لہجے میں کوٹ کوٹ کر طنز بھرا ہوا تھا۔

''میں بابا جان کو جواب دے چکی ہوں۔ تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔'' نگی نے بری طرح چڑ کر کہا تھا۔

''کیا.....'' معظم کے خون میں غصہ کا ایک اُبال سا اٹھا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کے بچپن کی منگیتر ہے وہ اسے بے حد چاہتا ہے پھر بھی وہ ایسی بات کر رہی ہے۔

''ہاں' میں تمہارے آگے جواب دہ نہیں ہوں۔'' اس نے معظم کے بدلتے روپ کی بھی پروا نہیں کی بلکہ ٹھوک بجا کر اعلان کیا تھا۔

''اور اگر میں ایسا سامان پیدا کر دوں۔'' معظم کی دھمکی معنی خیز تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' نگی کو اس کی بات سے کچھ کچھ اندازہ تو ہوا تھا۔

''شادی کے بعد عورت اپنے ہر فعل کی جواب دہ شوہر کے سامنے ہوتی ہے ایسے میں تم کیا کرو گی؟'' معظم بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''شادی جب ہو گی دیکھا جائے گا۔'' نگی نے برجستہ کہا تھا۔

''نگینہ شاہ..... شادی کل بھی ہو سکتی ہے' یہ صرف میری ڈھیل ہے۔'' معظم نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے اس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔

''تم مجھے ہاسٹل چھوڑ کر آ رہے ہو یا میں خود چلی جاؤں۔'' نگی جھینپ گئی تھی۔ کیوں کہ وہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا لیکن اکڑ ہنوز برقرار تھی۔

''چلو..... لیکن آئندہ تم ماڈلنگ نہیں کرو گی۔'' معظم کرسی سے اٹھتے پھر اسے جتا رہا تھا۔

نگی نے معظم کی سمت خفگی سے دیکھا اور خاموشی سے اس کی معیت میں قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

○○○

''میں کس طرح تجھے پانے کی آرزو کرتا.....
تو ہم سفر تھا مگر آسمان جیسا تھا.....''

''آہ۔'' کتاب بند کرتے ہوئے شہر بانو کے خوبصورت ہونٹوں سے ''آہ'' کی صورت میں ایک گہری سانس نکلی تھی۔ شعر اس کے حسب حال تھا۔

''یا اللہ' میں کب سے شاہ جی کی محبت میں گرفتار ہوں' یہ مجھے خود بھی نہیں معلوم..... میں چاند کی خواہش کیوں کرنے لگی ہوں' حالانکہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ سید معظم علی شاہ نگی کے ہیں' پھر میں اس سراب کے پیچھے کیوں بھاگ رہی ہوں۔ اے اللہ! مجھے اس گرفتاری سے نکال لیجئے۔'' اک بے بسی کے عالم میں اس نے اپنا سر کرسی کی بیک سے ٹکایا تھا آنکھیں موندیں تو دو موتی دائیں بائیں لڑھک گئے تھے۔

معاً اس کی سماعتوں نے کسی گاڑی کا ہارن سنا تھا۔ وہ چونک اٹھی رات کے اس پہر کون آ گیا۔ شہر بانو اپنے کمرے کی کھڑکی کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ اس نے فوراً دبیز پردہ ہٹایا' واچ مین نے گھر کا گیٹ کھول دیا تھا اور اندر آنے والی گاڑی سید معظم علی شاہ کی تھی۔ گیٹ پر لگی فینسی لائٹس کی روشنی میں اس نے باآسانی دیکھ لیا تھا۔

''شاہ جی.....'' اس کے ہونٹوں سے یہ نام بڑی آہستگی سے نکلا تھا۔ اس کے اردگرد گویا پھول کھل اٹھے تھے۔ بچپن سے ہی وہ اسے اس نام سے پکارتی تھی جس پر آج تک کسی نے اسے ٹوکا نہیں تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے محبت کی اس گرفتاری سے آزادی مانگ رہی تھی لیکن اب سب کچھ بھول کر کمرے سے نکل آئی۔ یہ دل کے معاملے بھی عجیب ہوتے ہیں۔

''السلام علیکم شاہ جی۔'' شہر بانو نے اسے لمبی چوڑی راہداری میں ہی پکڑ لیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔'' نرمی سے جواب دیتے ہوئے معظم لمحہ بھر کو ٹھٹک کر رکا اور پھر قدم آگے بڑھا دیئے۔

''ابھی تو بارہ ہی بجے ہیں شاہ جی' اچھا آپ کھانا کھائیں گے یا چائے پئیں گے؟'' شہر بانو اس کے تیز قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے استفسار کر رہی تھی۔

''کھانا اور چائے وغیرہ کو چھوڑو صرف ایک گلاس دودھ لے آؤ' اگر زحمت نہ ہو۔'' اپنے بیڈروم کے دروازے پر پہنچ کر معظم نے کہا تھا۔

''جی.....'' وہ اثبات میں سر ہلاتی پلٹی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد شہر بانو دودھ کا گلاس لئے اس کے بیڈروم کے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ بیڈروم میں اے سی آن تھا اور معظم راکنگ چیئر پر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ لباس تبدیل کر کے نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔

''شاہ جی..... آپ نے آنے کی اطلاع نہیں دی۔'' شہر بانو نے نزدیک آ کر ٹرے تپائی پر رکھ دی تھی۔

''میں دراصل ایک کام سے آیا تھا۔ اب دیر ہو گئی تو سوچا گھر ہی چلو رات ٹھہر کر صبح نکل چلیں گے۔ امی جان تو سو رہی ہوں گی۔ اب تو صبح ہی ملاقات کریں گے۔ اس وقت انہیں بھی ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں۔'' معظم بڑی تفصیل سے بات کر رہا تھا۔

''بابا جان تو اسلام آباد میں ہیں۔'' شہر بانو نے ان کے بارے میں بھی اطلاع دینا ضروری سمجھی تھی۔

''ہاں..... مجھے معلوم ہے ویسے اس وقت میں گھر کے کسی فرد کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن تم ہو گئیں جس کے لئے ''سوری'' معظم نے دودھ کا گلاس تپائی سے اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کوئی ڈسٹرب نہیں ہوئی شاہ جی' میں تو جاگ رہی تھی آپ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو باہر نکل آئی۔'' اس کے لہجے میں انکساری تھی۔

''بے حد متناسب جسم' گندم کے خوشوں جیسی رنگت پر پرکشش نقش' سنہری مائل لمبے سلکی بال اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جو اس کے کتابی چہرے پر بے حد سجتی تھیں۔ اس کا پورا وجود سادگی کا پیکر تھا' لیکن اس سادگی میں بھی ایک کشش تھی۔

''بہت شکریہ شہر بانو۔'' معظم نے دودھ پینے کے بعد خالی گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے بے حد سادہ لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن شاہ جی' مجھے آپ کا یہ انداز بالکل پسند نہیں آیا۔ کیوں کہ یہ گھر میرا بھی ہے اور اس گھر میں رہنے والوں سے میرا بھی کچھ رشتہ ہے' اگر آپ سمجھیں۔'' شہر بانو نے متانت سے کہتے ٹرے اٹھائی اور بیڈروم سے باہر نکل گئی تھی۔

معظم علی شاہ' اس کے جواب پر بڑا محظوظ ہوا تھا۔ اس کے دل نے یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی کہ یہ مان انہی لوگوں نے تو اسے دیا ہے۔ اس گھر میں ملازموں کی کمی نہیں تھی لیکن کچھ ذمے داریاں شہر بانو نے ازخود اپنے سر لی ہوئی تھیں۔ اور اسے یہ کام کر کے بہت خوشی ہوتی تھی وہ اپنے کام نمٹا کر ہال کمرے میں آئی تو نظر معظم کے ہاتھوں میں تھامی کتاب پر پڑی تھی۔ یہ کتاب وہ رات پڑھ رہی تھی اور اس کے آنے کی خوشی میں ہاتھ میں تھامی باہر نکلی تو ہال کمرے کی

سینٹر ٹیبل پر چھوڑ گئی تھی۔ اب معظم کے ہاتھ میں دیکھ کر کتاب یاد آ گئی تھی۔ وہ کتاب کی ورق گردانی کرنے کے ساتھ ساتھ زیب النساء سے بھی باتیں کر رہا تھا۔

''امی جان' آپ کو تو خیر شاعری سے لگاؤ نہیں ہے..... یہ بابا جانی کب سے شاعری پڑھنے لگے ہیں۔'' معظم نے اندر داخل ہوتی شہر بانو کو دیکھ کر ٹکڑا لگایا تھا۔

''تمہارے بابا جان تو دنیا جہاں کی کتابیں پڑھتے ہیں' یہ کون سی نئی بات ہے۔'' زیب النساء اسے کوئی خاندانی قصہ سنا رہی تھیں موضوع بدلنے پر کچھ بیزار ہوئی تھیں۔

''یہ کتاب میری ہے شاہ جی۔'' وہ کچھ جھجک کر کہتی زیب النساء کے قریب صوفے پر آ کر ٹک گئی تھی۔

''اچھا..... بھئی ہمارے گھر میں تو بہت باذوق لوگ بیٹھے ہیں اور ہمیں خبر ہی نہیں۔'' معظم نے کچھ شرارت آمیز انداز میں اس کی سمت دیکھا تھا۔

''میرے پاس اور بھی بہت اچھی کتابیں ہیں شاہ جی۔'' معظم کی بات سن کر اس کا حوصلہ بڑھا تھا وہ پر جوش انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''شہر بانو! اگر تمہیں ادب سے لگاؤ ہے تو تم اردو ادب میں ماسٹر کیوں نہیں کر لیتیں۔'' وہ بڑی فراخ دلی سے مشورہ دے رہا تھا۔

''جی.....'' اس سنجیدہ مزاج اور اپنے کام سے کام رکھنے والے شخص کے منہ سے اپنے لئے ایسی پیش کش سن کر شہر بانو کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اسے واقعی اردو ادب سے لگاؤ تھا لیکن وہ اپنی اس خواہش کا اظہار ربرلا نہیں کر سکتی تھی کیونکہ نگینہ نے جو ضدیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے لئے کی تھیں وہ شہر بانو نہیں کر سکتی تھی۔ نگینہ ان کا خون تھا اپنی منوا سکتی تھی لیکن وہ ان کا خون نہیں تھی۔ اس میں اپنی منوانے کی ہمت نہیں تھی۔

''تم نے جواب نہیں دیا شہر بانو۔'' وہ پھر اپنا سوال دہرا رہا تھا لیکن نظریں ہاتھ میں پکڑی کتاب پر مرکوز تھیں۔

''مم..... میں کیا کہہ سکتی ہوں شاہ جی۔'' اس کی دائیں جانب زیب النساء بیٹھی تھیں اور سامنے سنگل صوفے پر وہ خود بیٹھا اسے آفر کر رہا تھا۔ وہ عجیب گھبراہٹ میں مبتلا تھی۔

''تم مجھے صرف یہ بتاؤ آگے پڑھنے کا ارادہ ہے خالی بی اے کر کے بیٹھی ہو۔'' اس بار معظم نے کتاب سے نظریں اٹھا کر اس کے پر کشش چہرے کی سمت دیکھا جہاں اسے بڑے واضح انداز میں گھبراہٹ میں چھپی اس کی خواہش نظر آئی تھی۔

''شاہ جی! میرے لئے امی جان اور بابا جان کی اجازت سب سے پہلے اہم بات ہے۔'' شہر بانو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''بھئی' یہ تو بڑا کول مول سا جواب ہے۔'' معظم کو اس کا انداز بے حد دلچسپ لگا تھا۔

''معظم' یہ تم میری معصوم بچی کو کہاں الجھا رہے ہو۔'' زیب النساء جو کافی دیر سے ان دونوں کو سن رہی تھیں یکلخت ہی بیٹے کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

''شہر بانو آگے پڑھنا چاہتی ہے امی جان۔'' معظم نے بے دھڑک اس کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''شہر بانو بیٹا! میں نے تم میں اور اپنی اولاد میں کبھی کوئی فرق محسوس نہیں کیا اگر تمہاری بھی ایسی خواہش تھی تو زبان سے تو کہتیں' نگی کے ساتھ تمہارا داخلہ بھی کروا دیتے۔ ویسے تو تمہارے بابا جان لڑکیوں اور لڑکوں کے اکٹھے پڑھنے کے خلاف ہیں لیکن نگی نے انکا یہ اصول بھی تڑوا دیا۔ پھر تمہیں بھی اپنی خواہش کا حق ہے بولتی تو سہی بیٹا۔'' زیب النساء نے بڑی شفقت سے کہا تھا۔

''امی جان..... میں اب بھی آپ اور بابا جان..... کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔'' شہر بانو سعادت مندی سے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری خوشی لیکن تمہارے بابا جان سے اجازت لینا ہی پڑے گی۔'' زیب النساء اس کی سعادت مندی پر بے حد خوش ہوئی تھی۔

''لیکن امی جان' میں بابا جان سے اجازت نہیں لے سکتی۔'' شہر بانو یکدم گھبرائی تھی۔

''ٹھیک ہے' نہ تم پوچھو گی نہ امی جان میں خود بابا جان سے اجازت لے لوں گا۔ او کے۔ اب خوش ہو شہر بانو۔'' معظم نے مسئلہ ہی حل کر دیا تھا۔

شہر بانو نے معظم کی طرف تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا' کتنی آسانی سے وہ اس کے دل کی بات جان گیا تھا۔

''بیٹا! میں تو چاہتی تھی کہ نگی اور شہر بانو کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں بلکہ تمہارے بابا جان کی بھی یہ خواہش تھی لیکن ان لڑکیوں نے آگے پڑھنے کا شوق پال لیا ہے چلو یہ بھی اپنا شوق پورا کر لیں۔'' زیب النساء بیٹے سے مخاطب تھیں۔

''میں تو اپنا فرض نبھانے کو تیار ہوں۔ آپ نگی سے پوچھ لیں پڑھائی تو شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔'' بات شادی کے موضوع پر پہنچی تو معظم نے شریر انداز میں ماں کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔

''ہاں..... بہت اچھا لگے گا تم نوکری پر نکل جانا' بیوی پڑھائی کو چل دیں گی۔ باقی رہ گئے بچے تو انہیں کون پالے گا؟'' زیب النساء کے لہجے میں خفگی تھی۔

''امی جان' آپ کا بھی جواب نہیں' بہت دور کی سوچ رہی ہیں۔'' معظم ہنسنے لگا تھا۔

شہر بانو دل پر نادیدہ بوجھ لئے وہاں سے اٹھ رہی تھی۔

''بھئی آپ کہاں چلیں۔ ایک کپ کافی پلوا دیں۔ پھر میں بھی چلوں۔ امی جان دس تو بج رہے ہیں۔'' معظم نے شہر بانو سے کہہ کر زیب النساء کو بھی مخاطب کیا تھا اور نظریں کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھ رہی تھیں۔

''جی کافی میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' شہر بانو اسے جواب دیتی ہال کمرے سے نکل گئی تھی اس کے ہاتھ کی کافی معظم کو بے حد پسند تھی۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

''معظم! اب جاتے ہوئے شاہدہ آپا سے ملتے جانا' کہہ رہی تھیں کہ جب بھی معظم آتا ہے ملے بغیر ہی چلا جاتا ہے۔'' زیب النساء نے یاد دہانی کروائی تھی۔ شاہدہ بیگم معظم کی بڑی پھوپھو تھیں۔

''امی جان! مجھے صبح فجر کے وقت نکلنا تھا۔ اب دس بج رہے ہیں اگر پھوپو کی طرف گیا تو اور زیادہ دیر ہو جائے گی۔'' معظم کو واقعی دیر ہو گئی تھی اب اس کا موڈ شاہدہ بیگم کی طرف جانے کا نہیں بن رہا تھا۔

''پھر بھی بیٹا' سلام کرتے جانا۔'' زیب النساء نے پھر تاکید کی تھی۔

''ٹھیک ہے امی جان۔'' معظم نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کی پھوپو اسے بے حد چاہتی تھیں۔ یہ وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

اور پھر معظم کی کوشش سے سید مکرم علی شاہ نے شہر بانو کو بھی آگے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ یونیورسٹی میں ابھی پہلا سمسٹر نہیں ہوا تھا معظم نے اپنے اثر و رسوخ سے شہر بانو کا اردو ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ نواب شاہ سے وہ کراچی ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی اور سارے معاملات تو پہلے ہی طے ہو چکے تھے اس لئے ڈرائیور اسے معظم کے گھر لے آیا۔ اس کی خاطر معظم بھی اپنے آفس سے جلد آ گیا تھا پھر وہی اسے یونیورسٹی کے ہوسٹل چھوڑنے آیا تھا اور دانستہ طور پر اس نے شہر بانو کو روم میٹ بھی نگینہ کا بنایا تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ نگی ایک پر اعتماد اور بولڈ لڑکی تھی اسے معلوم تھا کہ اس کا بیک گراؤنڈ ایک دولتمند اور مضبوط خاندان سے ہے جبکہ شہر بانو کو بھی وہ لوگ اپنے خاندان کا ایک فرد ہی سمجھتے تھے لیکن وہ حقیقت سے نظریں نہیں چراتی تھی اور اسی بات نے اس کے اندر عدم اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں جھول آ گیا تھا۔ یہ بات سوائے معظم کے کسی اور نے محسوس نہیں کی تھی۔

وہ معظم کے ساتھ ہوسٹل پہنچ گئی تھی وارڈن سے تمام ضروری معلومات حاصل کر کے معظم خود اسے کمرے تک چھوڑنے آیا تھا۔ کمرہ ایسا ہی تھا جیسے عموماً ہوسٹل کے کمرے ہوتے ہیں۔ اس وقت یونیورسٹی کا آف نہیں ہوا تھا۔ نگی بھی شاید کوئی کلاس اٹینڈ کر رہی تھی کیونکہ آتے وقت لان میں اسے اکا دکا اسٹوڈنٹ ہی نظر آئے تھے جس کا مطلب تھا کہ کلاسز ہو رہی تھیں وہ سوچتا ہوا کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا۔

''شاہ جی! میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔'' اپنا سفری بیگ ٹھکانے پر رکھ کر وہ اس کی سمت پلٹی تھی' فل یونیفارم میں سر پر کیپ لگائے مضبوط جسامت اونچا لمبا معظم اپنی مردانہ وجاہت لئے ہمیشہ کی طرح اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''کس لئے بھئی۔'' وہ سمجھ تو گیا تھا لیکن تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا تھا۔

''مجھے میری منزل تک پہنچانے کا۔'' شہر بانو کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

''کیا تم بھول رہی ہو شہر بانو کہ جس گھر میں تم رہتی ہو وہاں رہنے والوں کے ساتھ تمہارا کچھ رشتہ بھی ہے اگر تم سمجھو' مجھے تمہارا یہ شکریہ پسند نہیں آیا۔'' معظم سنجیدہ لہجے میں اسی کی بات دہرا رہا تھا۔

''او کے..... او کے..... آپ بہت چالاک ہیں شاہ جی میری بات مجھے ہی لوٹا رہے ہیں۔'' شہر بانو محظوظ ہوتے ہوئے برجستہ بولی تھی۔

''آئندہ احتیاط کرنا۔'' معظم مسکرایا تھا اس نے سیاہ چادر میں ملبوس شہر بانو کو بغور دیکھا تھا۔ شہر بانو خجل سی ہو گئی تھی۔

''ٹھہرو..... میں ذرا نگی کو فون کر کے بلاتا ہوں حالانکہ میں نے کل اسے ساری بات بتائی تھی۔'' معظم نے اپنا موبائل پینٹ کی جیب سے نکال کر نگی کا نمبر ملا کر کان سے لگایا تھا لیکن دوسری طرف نگی کا موبائل آف تھا۔ ''اس نے تو موبائل آف کر رکھا ہے۔'' معظم کو اس کی حرکت بے حد ناگوار گزری تھی اس نے شہر بانو کو اطلاع دیتے ہوئے موبائل واپس جیب میں رکھ لیا۔

''تو' آپ کچھ دیر بیٹھ جائیں شاہ جی..... اس کا انتظار کر لیں۔'' شہر بانو نے اس کی ناگواری کو محسوس کرتے نرمی سے مشورہ دیا تھا۔

''میں اس کا نوکر نہیں ہوں جو یہاں بیٹھ کر انتظار کروں' اور بھی بہت سے کام ہیں مجھے۔'' معظم کے لہجے میں اپنی فطری اکڑ عود کر آئی تھی۔ ''تم ایسا کرو دروازہ اندر سے لاک کر کے ریسٹ کرو۔ او کے..... اللہ حافظ۔'' معظم بگڑے موڈ سمیت اسے ہدایات دیتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

آہ..... نگینہ اکبر علی شاہ..... کس قدر خوش قسمت ہو تم..... شاہ جی تمہیں کتنا چاہتے ہیں لیکن شاید تمہیں ان کی قدر نہیں' کتنے اچھے موڈ میں وہ مجھ سے باتیں کر رہے تھے صرف ایک تمہاری وجہ سے وہ بگڑے موڈ سمیت واپس گئے ہیں۔' شہر بانو نے چادر اتار کر ایک سائیڈ پر رکھی اور بیڈ پر بڑے ایزی انداز میں بیٹھ گئی معاً آہٹ پر اس نے دروازے کی سمت دیکھا تھا اندر داخل ہونے والی نگینہ تھی۔

''السلام علیکم.....'' اس نے سلام کرنے میں پہل کی تھی۔

''اوہو..... تو تم پہنچ گئی ہو۔'' نگی نے اس کے سلام کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کرتے ہوئے بڑی گہری نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔ شہر بانو سے بات کرتے نگی کا لہجہ ہمیشہ لئے دیئے ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے خود کو اس سے برتر سمجھتی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات محفوظ تھی کہ شہر بانو سے ہمارا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔

''ہاں' مجھے تو آدھ گھنٹہ ہو چکا ہے یہاں پہنچے۔'' شہر بانو اپنے لئے اس کے انداز اور جذبات سمجھتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ نگی سے خندہ پیشانی سے بات کرتی تھی۔ وہ نگی کی ہم عمر ہی تھی۔

''کس کے ساتھ آئی ہو۔'' وہ دانستہ انجان بنتی اس کے سامنے رکھی کرسی پر براجمان ہو گئی تھی۔

''شاہ جی چھوڑ کر گئے ہیں۔'' شہر بانو نے مختصراً کہہ کر اس کی سمت بغور دیکھا۔ گلابی گلابی پنڈلیوں پر اونچا سا بلوٹراؤزر اور ہاف سلیوز کی شارٹ شرٹ اور سکائی

بلو دوپٹہ گلے میں ڈالے ہوئے تھی اس کے علاوہ لائٹ سا میک اپ بھی کیا ہوا تھا یہ اس کی سادہ سی تیاری تھی لیکن اس میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ ہر فیشن اس پر سوٹ کرتا تھا۔

''کچھ دیر ٹھہر نہیں سکتے تھے تمہارے شاہ جی .....'' نگی کے لہجے میں طنز اتر آیا تھا۔ اپنے تراشیدہ بالوں کو ایک جھٹکے سے پیشانی سے ہٹایا تھا۔

''انہوں نے تو تمہیں فون کیا تھا لیکن تمہارا موبائل آف تھا۔'' شہر بانو نے اس کے طنز کو محسوس کر کے فوراً وضاحت کی تھی۔

''ہاں' کلاس میں ہمارا موبائل آف ہوتا ہے۔ لیکن تم مجھے ایک بات بتاؤ شہر بانو اگر تمہیں ایم اے میں ایڈمشن لینا تھا تو چار مہینے بعد کیوں آ رہی ہو۔ میرے ساتھ ہی آ جاتیں۔'' نگی یکلخت اصل موضوع پر آ گئی تھی کو کہ اسے ساری بات معظم سے معلوم ہو چکی تھی لیکن شہر بانو سے باز پرس کرنا وہ اپنا حق سمجھتی تھی۔

''نگی اصل میں میں تمہاری طرح بابا جان اور امی جان سے ضد تو نہیں کر سکتی تھی۔'' شہر بانو دھیرے سے بولی۔

''چلو ..... یہ بھی اچھا ہے تمہیں میرا اور اپنا فرق تو معلوم ہے۔'' نگی اسے جتاتے ہوئے کرسی سے اٹھی اور باتھ روم میں گھس گئی۔

شہر بانو تو عادی تھی اس کے لب و لہجے کی لیکن نہ جانے کیوں اس وقت اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔

شہر بانو اگر تمہیں اپنی پڑھائی کا شوق پورا کرنا ہے تو نگینہ اکبر کی باتیں سننے کے لئے بھی دل کو بڑا کرنا پڑے گا۔ ذہن نے سمجھایا تو اس نے آنکھوں کی نمی اندر ہی اندر اتار لی۔ شہر بانو پر تو سفر کی تھکان تھی وہ رات میں جلدی ہی سو گئی تھی۔ نگی اپنے بیڈ پر کتابیں کھولے نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ وہ انگلش میں ماسٹر کر رہی تھی۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اس نے ایک نظر شہر بانو کی سمت دیکھا جو گہری نیند میں تھی۔ اس نے معظم کا نمبر موبائل پر ملایا اور موبائل کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے انتہائی سنجیدہ اور خشک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

''معظم' نگی بات کر رہی ہوں۔'' اس کی سنجیدگی پر وہ کچھ جھجک کر گویا ہوئی تھی۔

''جی فرمائیے کیسے زحمت کی ہے آپ نے یاد کرنے کی۔ غالباً آپ کے پاس تو وقت ہی نہیں ہے کسی کے انتظار کے لئے بھی۔'' معظم کی نگی سے آپ جناب اس وقت شروع ہوتی تھی جب وہ بے حد غصہ میں ہوتا تھا۔

''اصل میں معظم میں تمہاری اور شہر بانو کی آمد تو بالکل ہی بھول گئی تھی۔'' نگی اب صفائی پیش کرنے لگی تھی حالانکہ اس نے یہ سب دانستہ طور پر کیا تھا۔

''کسی دن مجھے بھی بھول جانا۔'' معظم چڑ گیا تھا۔

''اب تم لڑائی والی بات کر رہے ہو۔'' نگی نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔

''اور ..... تم نے جو مجھ سے لڑنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے' اسے کیا کہو گی۔' معظم ترش ہوا تھا۔

''دو چاہنے والوں میں زیادہ لڑائیاں شدید محبت کی علامت ہوتی ہیں سید معظم علی شاہ شاید آپ اس روکھی پھیکی جاب میں گم ہو کر لطیف جذبات سے بھی عاری ہو چکے ہیں۔'' نگی کا لہجہ جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ شرارتی بھی تھا۔

''بہت خوب ..... تم مجھ سے شدید محبت کی دعوے دار ہو۔ اتنی اچھی اور رومینٹک بات تمہارے منہ سے سن کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔'' نگی کے منہ سے پہلی بار اظہار محبت سن کر معظم کا غصہ کہیں پس منظر میں چلا گیا اس کے لہجے میں ایک نرمی سی اتر آئی تھی۔

''اوہ ..... تھینک گاڈ ..... تمہارا غصہ تو ختم ہوا۔ معظم میں اپنے نوٹس بنا رہی ہوں۔ پھر بات کروں گی او کے .....'' نگی نے اطمینان سے کہا اور موبائل آف کر دیا تھا۔

اور دوسری طرف معظم کو اس ادھوری گفتگو سے تشنگی کے احساس نے گھیر لیا تھا۔ وہ اپنی شدتوں کو بھی دیکھ رہا تھا اور نگی کی چاہت بھی دیکھ رہا تھا' کہاں کمی تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر شہر بانو کو یونیورسٹی میں ایڈجسٹ ہونے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں اس کی دو تین لڑکیوں سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی جنہوں نے اس کی ہر طرح سے ہیلپ کی تھی اور اس کے علاوہ نگی نے اس پر یہ احسان کیا تھا کہ اپنی دوستوں سے شہر بانو کو کزن کی حیثیت سے ملوایا تھا معظم بھی ایک دو بار انہیں ہاسٹل ملنے آیا تھا۔ آج کل نگی اور معظم کے تعلقات بہت اچھے جا رہے تھے اور شہر بانو ان کے بیچ نہیں آنا چاہتی تھی۔ یہ اس کی دلی خواہش تھی۔

اس مہینے کے آخر میں ان کا فرسٹ سمسٹر شروع ہونے والا تھا اور آج کل سب ہی اسٹوڈنٹس پڑھائی کی طرف سنجیدگی سے راغب تھے۔ شہر بانو کو ایک کتاب خریدنی تھی اور نگینہ کو آج بازار جانا تھا۔ وارڈن سے اس نے اجازت لے لی تھی اور پھر وارڈن بھی اس کا اور شہر بانو کا بیک گراؤنڈ اچھی طرح جان چکی تھی اس لئے ان کے لئے خصوصی رعایت تھی۔

شام کو وہ دونوں شہر کے مشہور شاپنگ سینٹر میں موجود تھیں نگی کو اپنے لئے کچھ کپڑے خریدنے تھے (حالانکہ اس کے پاس کپڑوں کا ڈھیر تھا) اسی لئے پہلے وہ کپڑوں کے جدید بوتیک کی طرف آ گئیں۔ ایک گھنٹے کی خواری کے بعد اسے اپنے لئے دو سوٹ پسند آئے تھے۔

''تم بھی اپنے لئے کوئی سوٹ پسند کر لو۔'' اپنے سوٹ پیک کرانے کا آرڈر دے کر وہ شہر بانو سے مخاطب ہوئی تھی۔

''فی الحال تو ضرورت نہیں۔'' شہر بانو کا انداز سادہ تھا وہ اس کی شاہ خرچی دیکھ رہی تھی۔ کاٹن کے دو سوٹ اس نے تین ہزار کے خریدے تھے۔

''او کے جیسے تمہاری مرضی۔'' نگی اسے جواب دیتے سیلز مین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

شاپنگ سینٹر سے نکل کر وہ دونوں پیدل کچھ فاصلہ طے کر کے کتاب مرکز کی طرف آ گئیں اور جلد ہی وہ اپنی مطلوبہ کتاب لے کر شاپ سے باہر نکل آئی تھیں واپسی کے لئے وہ دونوں سڑک کے ایک جانب کھڑی کسی خالی ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھیں کہ ان کے قریب ہی سلور گرے مرسڈیز کے ٹائر چرچرائے تھے۔ آنے والا معظم علی شاہ تھا ان دونوں نے ہی بیک وقت دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''یہ تم لوگ کہاں گھوم رہی ہو ..... آؤ بیٹھو۔'' معظم نے کھڑکی سے جھک کر ان دونوں سے کہتے ہوئے گاڑی کے دروازے کے لاک کھول دیئے تھے۔

''تھینک گاڈ ..... تم مل گئے ورنہ نہ جانے کتنی دیر لگتی ہمیں ہاسٹل پہنچنے میں۔'' نگینہ سکھ کا سانس لیتے ہوئے فوراً دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور شہر بانو بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ معظم کو اتنے دن بعد دیکھنے پر دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''شاپنگ کرنے آئی تھیں؟'' اس نے کار اسٹارٹ کر کے نگی کو مخاطب کیا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں وہ شاپنگ بیگز دیکھ چکا تھا۔

''ہوں۔'' نگی نے ہنکارا بھرا تھا۔

''تم دونوں کو اکیلے نہیں نکلنا چاہئے۔ نیا شہر ہے راستوں کی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ کبھی شاپنگ کا ارادہ ہو تو مجھے فون کر دیا کرو اکیلی مت نکلا کرو۔'' ڈرائیونگ کرتے معظم کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''ویسے معظم تم اتنے پڑھے لکھے ہائی کوالیفائیڈ ہو لیکن تمہاری سوچ کبھی کبھی مجھے بڑی بیک ورڈ لگتی ہے۔ بھئی ہم یہاں پڑھنے اکیلے آ سکتے ہیں' اکیلے ہوسٹل میں رہ سکتے ہیں تو کیا اکیلے بازار نہیں آ سکتے۔ میں تو اپنی دوستوں کے ساتھ کئی بار شاپنگ کے لئے آ چکی ہوں بلکہ اکیلی بھی آئی ہوں۔ ہاں شہر بانو بے چاری نے آج پہلی بار بازار کا رخ کیا ہے۔ وہ بھی اسے کوئی کتاب خریدنی تھی۔'' نگی نے بڑی صاف گوئی سے کہا وہ اپنے دل میں کوئی بات نہیں رکھتی تھی۔

''تم مجھ پر بیک ورڈ ہونے کا الزام نہیں لگا سکتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تم دونوں یہاں یونیورسٹی تک نہیں پہنچتیں۔'' اس نے ایک نظر جدید تراش خراش کے لباس میں ملبوس اپنی محبت کو بھی دیکھا اور مرر سے چادر میں لپٹی شہر بانو کو بھی دیکھا۔ نہ جانے کیوں ایک لمحہ کے لئے اس کے دل میں یہ خواہش اٹھی تھی کہ نگی بھی خود کو شہر بانو کی طرح ڈھانپ لے کیونکہ اپنی عورت غیر مردوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے یہ اسے گوارا نہیں تھا لیکن وہ اس کی محبت تھی اور بعض اوقات محبت میں بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

''خیر شادی کے بعد ٹھیک کر لوں گا۔ دل کو تسلی دیتے ہوئے معظم نے ڈرائیونگ کی سمت دھیان دیا تھا۔

''اور یہ تم کیوں اتنی خاموش بیٹھی ہو؟'' وہ مرر سے شہر بانو کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''ہاں بھئی شہر بانو' اس وقت سے تمہارے شاہ جی کی جی حضوری نہیں ہو رہی۔'' معظم کو چھیڑتے ہوئے نگی نے بیچ میں مداخلت کی تھی۔

''تم فکر نہ کرو یہ حق تمہارا ہے اور تمہیں میں اپنی جی حضوری پر لے آؤں گا۔'' نگی سے شرارت بھری سرگوشی کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر شہر بانو کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کوئی پرابلم تو نہیں ہے ناں۔ شہر بانو۔'' وہ مرر سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''نہیں' شاہ جی' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' شہر بانو دھیرے سے بولی تھی۔

''اچھا ..... اب تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟'' نگی نے معظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ظاہر ہے ہوسٹل چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' معظم نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''کتنے کنجوس ہو تم معظم' کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر نہیں کروا سکتے ہو۔ اسی بہانے آج ہوسٹل کے بدمزہ کھانے سے جان چھوٹ جاتی۔'' نگی اک استحقاق سے بولی تھی۔

''نگی ڈنر کے چکر میں ہمیں ہاسٹل پہنچنے میں بہت دیر ہو جائے گی۔'' شہر بانو نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظریں دوڑائیں وہ لوگ پانچ بجے نکلی تھیں اور اب ساڑھے سات ہو رہے تھے۔

''شہر بانو! تم میرے اور معظم کے بیچ میں مت بولو۔'' نگی نے اپنی اہمیت دکھاتے یکلخت اسے جھڑک دیا تھا۔

شہر بانو کو اس کا انداز برا محسوس ہوا تھا مارے خفت کے اس نے خاموشی سے اپنا رخ کھڑکی کی سمت موڑ لیا تھا۔

''نگی یہ کس انداز میں بات کر رہی ہو۔'' معظم یہ تو اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنے آگے کسی کو نہیں دیکھتی ہے لیکن شہر بانو کے ساتھ بھی اس طرح کرے گی' یہ شاید اس نے پہلی بار نوٹ کیا تھا۔

''میں نے اسے کیا کہہ دیا ہے جو تم اس طرح خفا ہو رہے ہو۔'' نگی برا مان گئی تھی۔

''اچھا ..... تم ڈنر کا کہہ رہی تھیں۔'' معظم نے اس کے تیور دیکھتے فوراً بات بدل دی تھی ساتھ میں مرر سے ایک نظر شہر بانو پر ڈالی تھی جو ہنوز کھڑکی کی جانب رخ کیے بیٹھی تھی۔

''ہوں۔'' نگی نے ہنکارا بھرتے جیسے اس پر احسان کیا تھا۔

''دیکھو ..... میں تم لوگوں کو ڈنر ضرور کرواتا لیکن آج مجھے بھی نو بجے تک ایک آفیشل ڈنر پر جانا ہے لیکن پھر بھی میں تم لوگوں کا ڈنر پارسل کروا دیتا ہوں۔ ہاسٹل جا کر کھانا۔ او کے .....'' اس نے اپنی مجبوری بتاتے ہوئے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر اس کا خوبصورت ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے دبایا تھا یہ بھی اس کا ایک

منانے کا انداز تھا۔

ان کا پہلا سمسٹر جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے ختم بھی ہوگیا۔اب انہیں کچھ دنوں کی چھٹیاں ملی تھیں اور زیب النساء نے انہیں تاکید سے گھر بلایا تھا۔نواب شاہ سے ڈرائیور انہیں لینے آرہا تھا لیکن معظم کا بھی اس ویک اینڈ پر گھر جانے کا پروگرام تھا اس لئے ڈرائیور کو منع کر دیا گیا۔وہ دونوں اب معظم کے ساتھ جارہی تھیں۔صبح دس بجے تک معظم کو انہیں ہاسٹل سے پک کرنا تھا اور شام میں وہ دونوں اپنی اپنی تیاری میں مصروف تھیں۔

معاً ہاسٹل کی ملازمہ زاہدہ نے ان کے کمرے میں داخل ہوکر کسی مہمان خاتون کی آمد کی بابت بتایا تھا جو کہ نگی کو ملنے آئی تھیں۔اپنے کام میں مصروف شہر بانو نے بھی یہ پیغام سنا تھا اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا جبکہ نگی زاہدہ کے پیچھے شش و پنج میں مبتلا اپنے روم سے باہر نکل کر ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں آ گئی تھی۔

سامنے صوفے پر ایک اسمارٹ سی خاتون اپنے دلکش خدوخال سمیت بیش قیمت فیروزی ساڑھی زیب تن کئے بیٹھی تھیں چہرے پر لائٹ سا میک اپ تھا اور زیورات کا دل کھول کر کے استعمال کیا ہوا تھا۔وہ اس عمر میں بھی بے حد پرکشش دکھائی دے رہی تھیں تو جوانی میں تو نہ جانے کتنی حسین ہوں گی۔نگی دروازے میں کھڑی ان کا جائزہ لے رہی تھی کہ وہ خاتون صوفے سے اٹھیں اور بڑی تیزی سے نگی کی سمت بڑھی تھیں۔

''تت.....تم.....نگینہ ہوناں.....سید اکبر علی شاہ کی بیٹی۔''خاتون اس کے نزدیک پہنچ کر بڑے پرشوق انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

نگی نے انتہائی حیرت سے اس خاتون کی سمت دیکھا تھا۔یہ عورت کون ہے جو مجھے میرے نام اور ولدیت سمیت جانتی ہے۔

''بیٹا تم نے جواب نہیں دیا۔خاتون نے اس کی خاموشی اور حیرت کو دیکھتے ہوئے بڑی شفقت سے استفسار کیا تھا۔

''جج.....جی.....لیکن آ.....آپ کون ہیں۔میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''نگی کچھ نروس ہوئی تھی۔

''مم.....میں تمہاری ماں ہوں۔شہلا احمد۔''انہوں نے جذباتی ہوتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''یہ.....یہ.....آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔میرے ماں باپ کا انتقال تو میرے بچپن میں ہی ہو چکا ہے۔''نگی کے لہجے میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

''میں تمہارے رویہ سے جان چکی ہوں۔باپ تمہارا حیات نہیں ہے لیکن تمہاری ماں تمہارے سامنے زندہ کھڑی ہے۔اور پھر میرے دشمنوں نے تم سے حقیقت چھپائی ہے۔دو سال کا بچہ اگر ماں سے بچھڑ جائے تو اسے کہاں ماں کی یاد رہتی ہے اور جنہوں نے تمہاری ماں کو مار دیا ہے انہوں نے تمہیں کبھی میری کوئی تصویر بھی نہیں دکھائی ہوگی۔''شہلا نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے بڑے یقین سے کہا تھا۔

نگی اس حیرت انگیز حقیقت پر حیران کھڑی انہیں دیکھے جارہی تھی۔یہ سب کیا تھا۔فی الحال تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ نگی نے آج تک اپنی ماں کی کوئی تصویر نہیں دیکھی تھی یا پھر اسے دانستہ طور پر دکھائی نہیں گئی تھی اور نہ کبھی اس نے ایسی کوئی فرمائش کی تھی اس کے بابا سید اکبر علی شاہ کی بے شمار تصویریں موجود تھیں۔

''آؤ.....ادھر بیٹھو میں تمہیں سارے حالات بتاتی ہوں۔''شہلا بیگم اسے صوفے پر لے کر بیٹھ گئی تھیں اور دل ہی دل میں بے حد خوش تھیں کہ مکرم علی شاہ اور زیب النساء نے حقیقت نگی سے چھپا کر ایک طرح سے بہت اچھا کیا تھا۔اب سارا کیم ان کے حق میں جائے گا۔اتنا تو انہیں یقین تھا ورنہ اگر نگی حقیقت جانتی تو پھر انہیں تھوڑی بہت تگ و دو کرنا پڑتی لیکن بیٹی کو وہ راستے پر لے آتیں۔

''یہ لو بیٹا.....یہ البم دیکھو تمہیں خود ہی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔''شہلا بیگم نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک چھوٹا سا براؤن البم نکال کر ہاتھ میں تھمایا تھا۔نگی نے ایک الجھی نظر شہلا بیگم پر ڈالی پھر البم کھول لیا۔پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی نگی کی آنکھوں کے سامنے گویا زمین آسمان گھوم گیا۔وہ عورت جو خود کو اس کی ماں ثابت کر رہی تھی وہ پہلی تصویر میں ہی سید اکبر علی شاہ کے ساتھ دلہن کے روپ میں بیٹھی تھیں۔دونوں کے چہروں پر خوشی کی چمک بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔نگی نے لرزتے ہاتھوں تصویر پلٹی تو دوسری تصویر بھی اس کے ماں باپ کی تھی پھر وہ ایک کے بعد ایک تصویر دیکھنے لگی آگے کی تصویروں میں زیب النساء، مکرم علی شاہ معظم اور اس کے علاوہ شہر بانو کے بچپن کی تصویریں اور خود اس کے بچپن کی تصویریں بھی موجود تھیں۔

اب تو کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی نگی کے قریب بیٹھی عورت اس کی سگی ماں تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس کے اپنوں نے اس سے جھوٹ کیوں بولا۔اسے ساری عمر ماں کی ممتا سے کیوں محروم رکھا تھا۔اس کے ذہن میں یکلخت بے شمار سوال اٹھ رہے تھے۔وہ شہلا بیگم کی جانب یک ٹک دیکھے جارہی تھی۔اسے خبر ہی نہ ہوئی اور آنسوؤں سے رخسار بھیگتے چلے گئے۔اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

''ممی.....''اس کے لب لرز کر رہ گئے تھے۔

''میری بچی۔''شہلا بیگم نے بڑی بے تابی سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

زیب النساء نے اسے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی لیکن جو محبت اسے آج ماں کے لمس میں محسوس ہوئی تھی وہ احساس اسے زیب النساء کی محبتوں میں کبھی محسوس نہیں ہوا تھا یا شاید چند لمحوں میں سوچ بدل گئی تھی۔

''ممی! آپ مجھے وہ سچائی بتائیں جو ان لوگوں نے مجھ سے آج تک چھپائی ہے۔''نگی نے ان کے شانے سے سر اٹھایا اور اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کر کے استفسار کیا تھا۔

''دیکھو بیٹا، میں اپنے وقت کی ایک مشہور ماڈل گرل تھی۔تمہارے بابا ان دنوں کراچی میں اپنا بزنس کرتے تھے۔ہماری ملاقات ایک تقریب میں ہوئی تھی۔پہلی نظر میں ہی ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔یوں سمجھ لو بیٹا کہ ہماری لو میرج تھی لیکن تمہارے تایا سید مکرم علی شاہ اور تمہاری تائی زیب النساء بظاہر تو ہماری شادی پر خوش تھے لیکن اندر سے وہ ناخوش تھے۔کیونکہ تمہارے بابا نے خاندان سے باہر شادی کر کے ایک طرح سے اپنی خاندانی رسموں کو توڑا تھا حالانکہ تمہارے تایا تائی اور تمہارے بابا کے حکم پر میں نے شادی سے پہلے ہی ماڈلنگ چھوڑ دی تھی کیونکہ انہیں یہ پروفیشن پسند نہیں تھا۔میں تو ان کے رنگ میں ڈھل گئی تھی لیکن انہوں نے مجھے دل سے قبول نہیں کیا تھا۔میں ان کے دل میں پھانس بن کر اٹک گئی تھی۔تمہاری پیدائش بھی ہوگئی لیکن وہ لوگ ٹھیک نہیں ہوئے۔تمہارے بابا کو اکثر میرے خلاف بھڑکاتے رہتے اور آخر ان کا بھڑکانہ ایک دن کام آ گیا۔انہوں نے مجھے خاموشی سے طلاق دے دی۔میں غیر تھی، مجھے وہ لوگ اپنی جائیداد میں حصہ دار بھی نہیں بنانا چاہتے تھے۔تمہارے بابا مجھ سے بہت محبت کرتے تھے لیکن بھائی بھابی اور تمہاری شاہدہ پھوپو کے کہنے میں آ کر انہوں نے یہ کام کیا تھا۔تمہیں بھی مجھ سے چھین لیا پھر تمہارے بابا بھی مجھے چھوڑ کر زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے۔اسی صدمے میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے نگی بیٹا! اس وقت میں اکیلی عورت کیا کرتی۔والدین تو میرے بھی زندہ نہیں تھے کہاں جاتی.....آخر تمہارے بابا کے دوست جہانگیر احمد نے مجھ سے اس وقت شادی کر کے مجھے سہارا دیا تھا۔یوں زندگی کی گاڑی اب تک جہانگیر احمد کے سہارے چل رہی ہے اور تم سے ملنا بھی میرے لئے ایک معجزہ ہی ہے۔پچھلے دنوں ایک پرانے میگزین پر نظر پڑی تھی۔جس میں تم نے ماڈلنگ کی تھی، بس انہیں کے آفس سے تمہارا یہاں کا ایڈریس لے کر پہنچ گئی۔میری بیٹی میرے شہر میں ہے میں کیسے نہ اسے ملنے آتی۔''شہلا بیگم نے دکھ بھرے انداز میں اپنی روداد اسے سناتے آخر میں زمانے بھر کی مٹھاس لہجے میں لاتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا''جی میں یہ بھی آیا تھا کہ پوچھ لوں تمہارے تایا تائی نے ماڈلنگ کی اجازت کیسے دے دی لیکن ابھی موقع نہیں تھا اس لئے خاموش ہوگئی۔'

یہ وہ روداد تھی جس میں سچائی کم اور جھوٹ زیادہ تھا۔

نگی حیرت در حیرت میں مبتلا تھی۔اس کے لئے یہ انکشافات بالکل نئے تھے۔

اس کی ماں اپنے وقت کی ایک مشہور ماڈل گرل رہی تھیں۔

اس کے ماں باپ کی لو میرج ہوئی تھی۔

اس کی ماں کو طلاق ہوئی تھی اور وہ زندہ ہیں۔

اور پھر وہ جو اس نے کچھ مہینے پہلے ماڈلنگ کی تھی اس پر پورے گھر کا شور مچانا.....اب اس کی سمجھ میں آیا تھا اس کی ماں ماضی کی ماڈل گرل تھی، انہوں نے اسے برداشت نہیں کیا تھا تو وہ اسے کیسے اس فیلڈ میں جاتے برداشت کر سکتے تھے۔

قصور ہی سارے ان لوگوں کے نکلتے ہیں جب ہی تو آج تک مجھ سے جھوٹ بولتے آئے ہیں۔وہ اپنوں سے بری طرح بدگمان نظر آ رہی تھی۔

''نگی، کیا سوچنے لگیں۔''شہلا بیگم نے بڑی لگاوٹ سے کہتے ہوئے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

''سوچ رہی ہوں.....ممی میرے اپنوں نے میرے ساتھ کیسا ظلم کیا ہے۔میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے نگی بے حد افسردہ نظر آ رہی تھی۔

''نہیں بیٹا تم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گی جس سے تمہارے تایا تائی کو دکھ ملے۔انہوں نے تمہیں اپنی محبتوں میں پروان چڑھایا ہے۔تم ان سے کوئی مس بی ہیو نہیں کرو گی۔''شہلا بیگم نے فوراً اسے تنبیہ کی تھی خود کو اچھا بھی تو ثابت کرنا تھا کیونکہ ان کی بیٹی تو موم تھی وہ اسے جس طرح موڑیں گی وہ مڑ جائے گی۔

''یہ.....یہ.....آپ کیا کہہ رہی ہیں ممی۔''نگی ایک بار پھر حیرت میں تھی جس عورت کے ساتھ ان لوگوں نے ایسا برا سلوک کیا وہ آج بھی ان کی حمایت کر رہی ہے وہ اپنی ماں کی عظمت کی معترف ہوگئی تھی۔

''ہاں بیٹا برے کے ساتھ برا نہیں بنا جاتا اور پھر اس گھر میں معظم کے ساتھ تمہارا بہت مضبوط بندھن ہے، کیا اسے توڑا جا سکتا ہے۔''شہلا بیگم نے اس کی سمت سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے جیسے کچھ کھوجنا چاہا تھا۔

''آپ.....یہ بھی جانتی ہیں۔''نگی دھیرے سے گویا ہوئی تھی۔

''ہوں، تمہارا اور معظم کا رشتہ میرے سامنے ہی طے ہوا تھا۔''انہوں نے ہنکارا بھرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

وہ.....خاموش تھی۔لیکن بہت کچھ سوچ رہی تھی۔

''بس بیٹا تم ان لوگوں سے اپنی ماں سے ملنے کی اجازت مانگ لو مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہئے۔''شہلا بیگم بڑی محبت و چاہت سے کہہ رہی تھیں۔

''اب آپ سے ملنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا ممی۔یہ آپ اب مجھ پر چھوڑ دیں۔''نگی کا لہجہ بے حد مضبوط تھا اس نے ان کے شانے پر سر رکھ دیا تھا اور انہوں نے بھی جواباً بیٹی سے زیادہ گرمجوشی دکھائی تھی۔وہ ان کے شانے سے لگی اپنے آنے جانے کے پروگرام بتا رہی تھی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد شہلا بیگم اسے ڈھیروں پیار کر کے واپس ہوئی تھیں۔انہوں نے اپنی کامیابی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا تھا مکرم علی شاہ اور زیب النساء نے نگی کو حقیقت سے لاعلم رکھ کر ایک طرح سے ان کا کام بے حد آسان کر دیا تھا۔

نگی نے اپنے روم میں قدم رکھے تو شہر بانو کو اپنا منتظر پایا تھا۔اس نے خود کو فوراً نارمل کیا لیکن اس کا چہرہ اور آنکھیں رونے کی کہانی سنا رہے تھے۔

''نگی کیا ہوا، مل لیا تم نے ان خاتون سے کون تھیں وہ؟''شہر بانو نے ڈرتے ڈرتے استفسار کر ہی ڈالا تھا۔

''ہاں۔''مختصر جواب دے کر نگی اپنے بیڈ پر کروٹ کے بل دراز ہوگئی تھی۔اس کے پورے وجود پر ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی جسے شہر بانو نے بڑی شدت سے

محسوس کیا تھا۔

دوسرے دن وہ معظم کے ساتھ گھر پہنچ گئی تھیں۔ سارے راستے وہ خاموش تھی۔ معظم کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتی آئی تھی۔ معظم نے کئی بار اسے چونک کر دیکھا تھا لیکن شہر بانو کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہا۔

اور پھر شام کو نگی کی خاموشی کا بھید کھل گیا۔ وہ سب ہال کمرے میں بیٹھے تھے۔ شہر بانو سب میں چائے سرو کر رہی تھی۔ نگی نے ایک لفافہ سید مکرم علی شاہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

''یہ کیا ہے نگی بیٹے؟'' مکرم علی شاہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ کھول کر دیکھیں بابا جان۔'' نگی کا لہجہ مودّب لیکن بے حد سنجیدہ تھا۔ شاید ماں کے سمجھانے کا اثر تھا۔

انہوں نے اس کے جواب پر فوراً لفافہ کھولا تھا لیکن ہاتھ میں شہلا احمد کی تصویر آئی تھی جسے دیکھ کر ان کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ بھلا اس عورت کو وہ کیسے بھول سکتے تھے جس نے ان کے جوان بھائی کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھیں زیب النساء کو بھی تصویر دیکھ کر گویا کرنٹ لگا تھا۔ اپنے ماں باپ کی یہ حالت دیکھ کر سنگل صوفے پر بیٹھا معظم ایک دم اٹھا اور تصویر مکرم علی شاہ کے ہاتھ سے لے کر دیکھنے لگا۔ تصویر دیکھ کر وہ بالکل بھی نہیں چونکا کیونکہ اپنے باپ کے پرسنل فیملی البم میں معظم نے اس عورت کی کئی تصویریں اپنے چچا سید اکبر علی شاہ کے ساتھ دیکھی تھیں اور ہوش سنبھالتے ہی اس نے والدین سے اپنے چچا کی ناکام زندگی کی پوری کہانی سن رکھی تھی۔ شہر بانو البتہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی ہال کمرے میں ایک معنی خیز خاموشی سکوت طاری تھا۔

''بابا جان! اگر آپ اس عورت کو پہچانے نہیں ہیں تو میں بتا دیتی ہوں۔ یہ میری ماں ہے۔ شہلا احمد۔'' اس معنی خیز خاموشی کو توڑتے ہوئے نگی کا لہجہ از خود سرد ہو گیا تھا۔

''نگی۔'' معظم نے اسے گھور کر دیکھا تھا اسے نگی کا لہجہ بے حد برا لگا تھا اس نے شہلا بیگم کی تصویر سینٹر ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

''ہوں تو شہلا بیگم تم تک پہنچ گئی۔'' سید مکرم علی شاہ ہنکارا بھرتے بغور جان سے عزیز بھتیجی کو دیکھنے لگے جو آج ان سے پرانے حساب کتاب لینے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

''بابا جان! آپ لوگ میرے ساتھ اتنا بڑا ظلم کر سکتے ہیں یہ میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا۔'' اس کا لہجہ بے حد دکھی تھا۔

''ہم نے بیٹا تمہارے ساتھ کیا ظلم کیا ہے؟'' مکرم علی شاہ ہنوز اس کی سمت دیکھ رہے تھے ابھی تک وہ بڑے تحمل سے اسے سن رہے تھے۔

''یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔'' نگی جو تلخی سے شروع ہوئی تو اس نے حرف حرف شہلا بیگم کی روداد انہیں سنا ڈالی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟'' باقی سب تو یہ روداد سن کر متحیر تھے جبکہ معظم کو بری طرح غصہ آیا تھا۔

''سید معظم علی شاہ یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔'' نگی تلخ ہوئی تھی۔

''نگی بیٹا! یہ شہلا بیگم کی من گھڑت کہانی ہے اس میں سچ صرف اتنا ہے کہ تمہارے باپ نے شہلا بیگم سے پسند کی شادی کی تھی کو کہ اکبر علی شاہ نے اپنی خاندانی رسموں کو توڑا تھا لیکن پھر بھی ہم نے اس شادی کو دل سے قبول کیا تھا۔ باقی کی کہانی جو تمہاری ماں نے تمہیں سنائی ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ سراسر جھوٹ۔ اس سے زیادہ ہم کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔'' سید مکرم علی شاہ مبہم اور سنجیدگی سے گویا ہوئے تھے ان کی سنجیدگی میں بھی ایک نرمی تھی کیونکہ موضوع بے حد حساس تھا۔

''بابا جان! ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے آپ اور کتنے جھوٹ بولیں گے۔ اگر آپ لوگ سچے تھے تو میری زندہ ماں کو کیوں مار دیا تھا؟'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''کیونکہ وہ عورت اسی قابل تھی کہ ہم تمہیں اس کے بارے میں لاعلم رکھتے۔'' سید مکرم علی شاہ کو پہلی بار غصہ آیا تھا۔ وہ کمال ضبط سے خود پر کنٹرول کر گئے تھے لیکن چہرہ پھر بھی سرخ ہو گیا تھا۔

''نگی ان کی بات پر بری طرح ہرٹ ہوئی تھی وہ اپنی جگہ کھڑی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اسے ان کی بات نے بہت تکلیف دی تھی۔

''نگی بیٹا! ہم تم سے غلط نہیں کہہ رہے۔'' زیب النساء نے فوراً اپنی نشست چھوڑی اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔ وہ اس کے آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ کیونکہ اپنی اولاد سے بڑھ کر اسے چاہا تھا۔

معظم کو غصہ تو بہت آ رہا تھا لیکن بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اور شہر بانو تو بس خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

''امی جان! ماضی میں جو ہوا مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں۔ بس آپ لوگ مجھے میری ماں سے ملنے کی اجازت دے دیں۔'' وہ زیب النساء کے سینے سے لگی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اسے یہ ڈر بھی تھا کہ اگر اس بات کو زیادہ کریدا تو ہو سکتا ہے اس پر کوئی نئی پابندی لگ جائے۔ زیب النساء نے اس کی فرمائش پر شوہر کی جانب دیکھا تھا جیسے ان کی مرضی پوچھ رہی ہوں۔

''ٹھیک ہے بیٹا تم اپنی ماں سے مل سکتی ہو لیکن اپنے خاندان کی عزت اور ناموس کا ہمیشہ خیال رکھنا اور ہاں اس سچائی کو ضرور کھوجنا جسے اس وقت ہم تمہیں بتا بھی دیں تو تم یقین نہیں کرو گی۔'' سید مکرم علی شاہ چند لمحے تو کسی گہری سوچ میں گم رہے پھر بڑے صبر سے اسے اجازت دے دی۔

''تھینک یو بابا جان۔'' نگی نے زیب النساء سے الگ ہوتے ہوئے بھرپور خوشی سے کہا تھا۔ وہ کون سی سچائی ہے اس کی اسے کوئی پروا نہیں تھی فی الحال تو وہ اس منزل پر کھڑی تھی کہ وہ ان لوگوں کو بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

''لیکن بابا جان میں نگی کو اس کی ماں سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' معظم تو مارے غصے کے جھلا اٹھا تھا۔ باپ کی نرمی اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

''میں تمہاری اجازت کی پابند نہیں ہوں۔'' نگی نے سرد مہری سے معظم کی سمت دیکھا اور ہال کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ شروع سے ہی ایسی تھی اس کی محبت میں ایک بے نیازی ایک ہٹ دھرمی سی تھی۔ وہ معظم کی محبتوں کا مان کچھ اس طرح ہی رکھتی تھی۔

''دیکھ رہے ہیں بابا جان یہ آپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہے جو وہ مجھے ایسا جواب دے کر گئی ہے۔'' معظم نے ان کی جانب خفگی سے دیکھا تھا۔

''معظم اس وقت ساری سچویشن تمہارے سامنے ہے فی الحال ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے وہ تو پہلے ہی ہمیں قصوروار سمجھ رہی ہے۔ اگر ہم نے اور زیادہ روک ٹوک کی تو ہو سکتا ہے یہ ہمارے حق میں بہتر نہ ہو۔'' وہ پرسوچ انداز میں اسے سمجھا رہے تھے۔

''لیکن میں نگی کو اس کی ماں سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' معظم اس وقت ذہن سے نہیں سوچ رہا تھا اس لئے غصے میں بھنا تا ہوا وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

''اس لڑکے کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے حالانکہ سب کچھ جانتا ہے۔'' زیب النساء نے بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ مکرم علی شاہ کے قریب اپنی نشست سنبھالی تھی۔

شہر بانو نے بھی چائے کے خالی مگ اٹھا کر ٹرے میں رکھے اور وہاں سے نکل گئی تھی کیونکہ اسے اپنی موجودگی اس وقت بے معنی لگ رہی تھی۔

''سید صاحب، نگی کو حقیقت سے لاعلم رکھ کر ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔'' زیب النساء شکستہ سے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شاید پھر آج یہ حالات بھی نہ ہوتے۔'' سید مکرم علی شاہ نے ان کی تائید کی تھی۔

''اب معظم کو کیسے سمجھائیں۔'' زیب النساء بیٹے کے لئے فکرمند ہوئیں۔

''ابھی وہ غصہ میں ہے، میں سمجھاؤں گا اسے۔'' مکرم علی شاہ انہیں جواب دیتے کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔

دو دن سے ان کے درمیان سرد جنگ جاری تھی اس کا مطالبہ ماں سے ملنے کا تھا اور معظم کی طرف سے ہنوز انکار برقرار تھا۔ شام میں سید مکرم علی شاہ اور زیب النساء شاہدہ بیگم کی طرف گئے ہوئے تھے۔ شہر بانو ستونوں والے لمبے چوڑے برآمدے میں کرسی پر بیٹھی بظاہر کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی لیکن اس کا سارا دھیان معظم اور نگی کی طرف لگا ہوا تھا جن کے جھگڑے کی آواز ادھر تک آ رہی تھی۔

وہ سر جھٹک کر ایک بار پھر اپنا دھیان کتاب میں لگا رہی تھی کہ کوئی طوفان اس کے قریب آیا تھا۔

''تمہارا دماغ درست نہ کیا تو میرا نام بھی معظم نہیں۔'' وہ بڑے غصہ میں کہتا ہوا شہر بانو کے قریب سے گزر کر باہر کی سمت بڑھ گیا تھا۔

اس کے تیور دیکھ کر تو شہر بانو بھی سہم گئی تھی اور ابھی معظم کو گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ واپس چلا آ رہا تھا لیکن شہر بانو کو اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ سی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی نظر معظم کے پیروں کی سمت اٹھی گرے شلوار سوٹ پر اس نے سیاہ لیدر کے اسٹائلش سے سلیپر پہن رکھے تھے لیکن ایک پیر سے خون نکل رہا تھا۔

''ارے..... یہ کیا ہوا شاہ جی؟'' وہ بے ساختہ اٹھی اور کتاب چھوٹی سی تپائی پر رکھ کر اس کی سمت بڑھی تھی۔

''اف..... بہت بڑی چوٹ لگی ہے۔'' معظم قریب آتے ہی کرسی پر ڈھے سا گیا تھا اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے سلیپر سے پیر باہر نکال لیا تھا۔

''کیسے لگ گئی چوٹ..... دکھائیں تو۔'' شہر بانو تو اس کے خون سے بھرا پیر دیکھ کر بری طرح گھبرائی تھی۔ یکلخت ہی وہ دوزانو ہو کر زمین پر بیٹھ گئی اور بڑی بے ساختگی سے اپنے سفید دوپٹے سے اس کا پیر صاف کرنے لگی۔ اس کے پیر کا انگوٹھا اور ایک انگلی بری طرح کٹ گئی تھی۔ جہاں سے خون بہہ رہا تھا اور معظم اس حرکت پر ارے..... رے..... ہی کرتا رہ گیا۔ اشارہ اسے منع کرنے کا تھا۔

''شاہ جی یہ چوٹ کیسے لگی آپ کو؟'' وہ اپنا سفید دوپٹہ اس کے خون سے رنگ چکی تھی۔ زمین پر ہنوز اسی حالت میں بیٹھی وہ معظم سے استفسار کر رہی تھی۔

''گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے دھیان نہیں رہا تھا۔ جاؤ تم اندر سے کوئی دوا اور بینڈیج لے آؤ اور یہ اپنا دوپٹہ بھی فوراً دھوؤ۔'' معظم کرسی پر بیٹھا اسے کہہ رہا تھا۔

دھیان کیسے رہتا کس قدر غصے میں گئے تھے آپ۔ وہ سوچتی ہوئی فوراً اندر بھاگی تھی۔

اور پھر چند لمحوں میں ہی وہ دوسرا دوپٹہ بدل کر فرسٹ ایڈ کا تقریباً تمام سامان اٹھا لائی تھی۔ تپائی پر پیر رکھے وہ اپنی بینڈیج خود کر رہا تھا اور شہر بانو دوزانو بیٹھی اس کی مدد کروا رہی تھی۔

معاً آہٹ پر دونوں نے بیک وقت چونک کر ہال کے اندرونی دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ دروازے کی چوکھٹ پر چونکنے کے انداز میں نگی کھڑی تھی اور کچھ فاصلے پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

''نگی! شاہ جی کے پیر پر چوٹ لگ گئی ہے۔'' شہر بانو نے اسے اطلاع دینا ضروری سمجھی تھی لیکن معظم اسے نظر انداز کرتے اپنے کام میں مصروف تھا۔

''معظم تمہیں اس قسم کی لڑکی سوٹ کرتی ہے جو ہر دم تمہاری خدمت گزاری میں لگی رہے۔'' وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ معظم اسے شدتوں سے چاہتا ہے لیکن نہ جانے کیوں وہ اس وقت یہ بات تمسخرانہ لہجے میں کہہ گئی تھی۔

''نگی۔''معظم اس سے سخت خفا تھا یکلخت اس کی بات پر دھاڑ اٹھا تھا۔
''کیا.....اول فول بکتی ہو۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں۔''معظم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔
''میں نے شہر بانو کو تو کچھ نہیں کہا۔'' نگی نے بڑی معصومیت سے کندھے اچکائے تھے۔شہر بانو اب اتنی نادان بھی نہیں تھی جو اس کی بات نہ سمجھتی وہ خاموشی سے اٹھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔
''بہت غلط بول جاتی ہو تم۔وہ لڑکی تو سدا کی ایسی ہی ہے ہر کسی کی تکلیف میں پریشان ہونے والی اور ہر کسی کی خوشی میں خوش ہونے والی۔''معظم کے لہجے میں بھرپور خفگی تھی۔
''یہ.....چوٹ کیسے لگ گئی؟''بات بدلتے ہوئے وہ معظم کے قریب آ کر دوسری چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔
''پوچھنے کا خیال بہت جلد آ گیا۔''معظم نے بینڈیج کر کے تپائی سے پیر نیچے رکھتے ہوئے اس پر گہرا طنز کیا تھا ساتھ ہی ملازم کو آواز دے کر تپائی سے فرسٹ ایڈ کا سامان اٹھانے اور اپنے دوسرے سلیپر لانے کو کہا تھا۔
''مجھے تو تمہارا خیال ہے لیکن تمہیں ہی میرا خیال نہیں ہے۔'' نگی کچھ دیر پہلے والی لڑائی کو بھول کر نئے سرے سے معظم کو رام کرنے لگی تھی۔
''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں لیکن نگی تمہاری ماں نے جو سچائی تمہیں بتائی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ہم تمہارے دشمن نہیں آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔''معظم زچ ہو کر بولا تھا۔
'دیکھو معظم ماضی میں جو کچھ ہوا ہے میں اس کے بارے میں جو جان گئی ہوں وہی میرے لئے کافی ہے۔گو کہ تم لوگوں نے میرے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا لیکن میری ماں مجھے مل گئی ہے میں نے تم لوگوں کو بھی معاف کیا۔''
''بہت احسان ہے آپ کا کہ آپ نے ہمیں معاف کر دیا۔''یکلخت ہی معظم نے بل کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔
''معظم' پلیز! مجھے میری ماں سے ملنے دو۔''اس کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔معظم نے گہری سانس لیتے ہوئے خاموشی پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے ذہن میں سید مکرم علی شاہ کی صبح والی بات گردش کرنے لگی تھی۔
''معظم ہم اس کی ماں کی پرچھائیں بھی اس پر برداشت نہیں کر سکتے تھے لیکن اب اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو تم نگی کو مت روکو اسے ملنے دو اپنی ماں سے' حقیقت کب تک چھپے گی' اچھا ہے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے۔''
''معظم'' نگی نے اسے خاموش دیکھ کر آہستگی سے پکارا تھا۔اس کی آنکھوں میں جمع آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔
''ٹھیک ہے' تم اپنی ماں سے مل سکتی ہو اور یہ اپنے آنسو صاف کرو۔'' گو کہ وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں نرمی اتر آئی تھی۔
''تھینکس۔'' نگی نے بڑی حیرت اور خوشی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔
معظم تو تیسرے دن ہی واپس چلا گیا تھا لیکن نگی اور شیر بانو اپنی چھٹیاں گزار کر ڈرائیور کے ساتھ ہاسٹل آ گئی تھیں اور اب تو نگی شہلا بیگم کے رابطے میں تھی۔اس لئے بے حد خوش رہنے لگی تھی۔شہلا بیگم کی اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی تھی جبکہ ان کے شوہر جہانگیر احمد کا تعلق سیاست سے تھا۔نگی کی فی الحال ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی کیونکہ آج کل وہ لندن میں بسیرا کئے ہوئے تھے۔
نگی اب اکثر ویک اینڈ اپنی ماں کے پاس گزارا کرتی تھی۔اس دن بھی وہ ویک اینڈ گزارنے شہلا کے پاس آئی ہوئی تھی بلکہ شہلا نے اپنا ڈرائیور بھیج کر اسے بلوایا تھا۔پھر اسے بازار بھی لے کر گئی تھی۔خوب اسے شاپنگ کروائی' یہ عنایت وہ اکثر بیٹی پر کرتی تھی۔اچھے سے ہوٹل میں لنچ کیا پھر ان کی واپسی ہوئی تھی۔
سارا دن اس نے شہلا بیگم کے ساتھ بے حد خوشگوار گزارا تھا۔شام کو جب وہ ہاسٹل واپس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ شہلا بیگم ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔
''نگی' مکرم علی شاہ نے تمہارے بابا جان کی جائیداد کے حصے کا کیا کیا؟'' یہ وہ سوال تھا جو وہ بیٹی سے چھ سات ماہ سے پوچھنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن آج ہمت کر کے استفسار کر ہی لیا تھا۔
''ممی! وہ تو انہوں نے ایک عرصہ سے میرے نام کر رکھا ہے۔'' نگی کا انداز نارمل تھا وہ ان کے سوال کی گہرائی کو سمجھی نہیں تھی۔
''ہاں بیٹا' اسی لئے تو انہوں نے تمہیں بچپن سے ہی معظم سے منسوب کر دیا تھا تاکہ گھر کی دولت باہر نہ جائے۔'' شہلا بیگم آج اپنے خول سے باہر نکل رہی تھیں۔
''ممی! ایسی بات نہیں ہے۔ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' نگی نے کچھ جھینپ کر ان کی غلط فہمی دور کی تھی۔
''ہوں.....ہنکارا بھرتے ہوئے بیٹی کی پسند پر ان کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔یہ محبتیں انہیں آہستہ آہستہ ہی نفرتوں میں بدلنا تھیں۔
''ممی! آپ کسی بھی قسم کی فکر مت پالیں۔آپ کی بیٹی آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گی۔'' ان کی خاموشی پر وہ یہی مطلب اخذ کر سکتی تھی کہ شاید انہیں اس سے بچھڑنے کا ڈر ہے۔
''ارے نہیں بیٹا' مجھے معلوم ہے میری بیٹی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔اچھا آج مجھے ایک بات تو بتاؤ۔یہ تم نے ایک میگزین میں ماڈلنگ کرنے کے بعد دوبارہ اس پروفیشن کا رخ کیوں نہیں کیا۔میری جان تمہارا فیگر تو ماڈلنگ کے لئے بالکل پرفیکٹ ہے۔''شہلا نے بڑی ہوشیاری سے موضوع بدلا تھا۔ان کا پہلا ٹارگٹ نگی کی جائیداد تھی اور دوسرا ٹارگٹ اسے ماڈلنگ کی طرف لانا تھا کیونکہ بیٹی کے ذریعے وہ بے شمار دولت کما سکتی تھیں۔نگی ان کے لئے سونے کی چڑیا تھی۔
''ارے ممی' وہ تو سب میں نے اپنی دوست کے کہنے میں آ کر مذاق ہی مذاق میں کیا تھا۔'' نگی نے بڑی لاپروائی سے کہا تھا۔
''تمہارا دل کرتا ہے اس پروفیشن میں آنے کو۔''شہلا نے بڑی جانچتی نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔
''دل تو بہت کرتا ہے ممی۔''وہ ہچکچائی تھی۔شاید اس کے اندر اپنی ماں کے جراثیم موجود تھے جب ہی تو آج ان کے شہہ دینے پر وہ کھل کر اظہار کر گئی تھی۔
''دل کرتا ہے تو کیوں نہیں آ جاتی ہو اس فیلڈ میں۔'' گو کہ انہیں اس کی ہچکچاہٹ کے پس منظر کا کچھ کچھ اندازہ تو تھا لیکن وہ پھر بھی تحیر بھرے لہجے میں استفسار کر رہی تھیں۔
''وہ بابا جان اور معظم کبھی نہیں مانیں گے۔وہ تو پہلے ہی بہت خفا ہو گئے تھے۔'' نگی اپنا خدشہ زبان پر لے آئی تھی۔
''یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ان کی سوچ ابھی تک دقیانوسی ہے۔آج کل تو پڑھے لکھے گھرانوں کی لڑکیاں اس پروفیشن میں آ رہی ہیں۔تمہیں شوق ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹا' اور اگر ان لوگوں کو تم سے محبت ہوئی تو وہ تمہیں ضرور اجازت دے دیں گے۔''شہلا بیگم نے بیٹی کے شوق کو ہوا دی تھی۔
''سچ ممی'' نگی کی دبی ہوئی خواہش پوری طرح انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی اور پھر سامنے بیٹھی عورت اس کی ماں تھی جو اس کو پوری طرح سپورٹ کر رہی تھیں۔
''ہاں بیٹا تمہاری ممی تمہیں راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچا سکتی ہیں۔''وہ نگی کو بھرپور حوصلہ دے رہی تھیں اور اپنی فتح پر بے حد خوش تھیں۔
''لیکن وہ بابا جان اور معظم' پھر ممی انہوں نے تو آپ کو اس فیلڈ کو خیرباد کرنے کے بعد بھی نہیں بخشا تھا۔'' نگی نے اپنا خدشہ پھر ظاہر کر دیا تھا۔
''میری بات چھوڑو نگی' تم ان کا خون ہو اور پھر معظم اگر تم سے واقعی سچی محبت کرتا ہے تو وہ ضرور تمہاری خواہش کا احترام کرے گا۔'' شہلا بیگم اسے آہستہ آہستہ شیشے میں اتار رہی تھیں۔وہ اس کے اپنوں کے خلاف اسے ایکدم نہیں بھڑکا سکتی تھیں کیونکہ بیچ میں بیٹی کی محبت تھی' پہلے وہ اس میں دراڑ ڈالنا چاہتی تھیں۔اور جب ان دونوں کی محبت میں دراڑ پڑ جائے گی تو معاملہ آسان ہو جائے گا اور پھر وہ بڑی آسانی سے اس دولت تک پہنچ جائیں گی جو نگی کے نام تھی۔
''ہوں' ممی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اب ان لوگوں کی محبت کا پتہ لگ جائے گا۔پہلے تو میں نے ماڈلنگ والے ٹاپک پر ان لوگوں سے ضد ہی نہیں کی تھی۔اب ذرا میں اپنی منوا کر دیکھتی ہو۔ویسے میں اکثر ان سے اپنی بات منوا لیتی ہوں۔'' نگی پرسوچ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ماں کی سپورٹ اس وقت اسے بہت بڑی نعمت محسوس ہو رہی تھی۔
''پھر ٹھیک ہے بیٹا' میں لندن سے آ جاؤں جب تک تمہارا آخری سمسٹر بھی ہو جائے گا۔پھر تمہارا کام شروع کروا دوں گی۔لیکن فی الحال تم اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا جب کام شروع کرو گی پھر سب کو بتا دینا۔''شہلا بیگم نے تنبیہہ کرتے ہوئے اسے گھر والوں کا اشارہ دیا تھا۔
''او کے ممی' لیکن آپ کو تو وہاں چار پانچ ماہ لگ جائیں گے۔'' نگی شہلا بیگم کے پروگرام سے آگاہ تھی۔پرسوں ان کی فلائیٹ تھی وہ جہانگیر احمد کے پاس جا رہی تھیں۔
''ہاں بیٹا.....یہ بھی مجبوری ہے۔جہانگیر نے وہاں اپنا کوئی نیا بزنس شروع کیا ہے وہ تو مجھے اپنے ساتھ ہی لے جا رہے تھے لیکن تمہارا معاملہ بیچ میں آ گیا تھا۔اس لئے میں نے انہیں صاف انکار کر دیا۔''بڑے سنبھل کر شہلا بیگم نے بات بنائی تھی۔اصل میں وہ شوہر کی سرگرمیوں سے باخبر تھیں۔وہ تو فی الحال وہاں سے آنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔شہلا بیگم بیٹی کو حقیقت بتانے سے قاصر تھیں۔اس لئے انہیں خود لینے جا رہی تھیں۔
نگی ان کی پوری بات سن کر اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی۔جہانگیر احمد سے اس کا بھی غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔پھر وہ خود گاڑی میں نگی کو ہاسٹل چھوڑنے آئی تھیں۔ہاسٹل کے گیٹ سے باہر نکلنے والے معظم کو دیکھ کر نگی بری طرح چونک گئی تھی۔
''ممی' یہ معظم ہے۔''اس نے شہلا بیگم کو ہاسٹل کے گیٹ کی سمت متوجہ کرتے ہوئے اطلاع دی تھی۔
''ہوں۔''شہلا بیگم نے ہنکارا بھرتے بغور معظم کی سمت دیکھا۔بلو پینٹ پر بلو اور وائٹ چیک کی شرٹ میں ملبوس وہ بے حد جاذب نظر لگ رہا تھا۔شہلا بیگم نے دل ہی دل میں اس کی وجاہت کا اعتراف کیا تھا۔وہ دونوں ماں بیٹی ابھی تک اپنی گاڑی میں ہی موجود تھیں اور کچھ فاصلے پر اپنی گاڑی کی سمت بڑھتے ہوئے معظم کی نظر ان کی گاڑی کی سمت اٹھی تھی۔شہر بانو سے اسے اطلاع مل چکی تھی کہ صبح سے وہ اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی ہے۔وہ بڑے خراب موڈ میں اندر سے نکلا تھا۔
اسی اثنا میں وہ دونوں ماں بیٹی اپنی گاڑی سے نکل کر اس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھیں۔
''معظم! یہ ممی ہیں۔''اس کے تیور دیکھ کر نگی نے فوراً تعارف کروایا تھا۔
''انہیں کیسے بھول سکتے ہیں ہم۔''معظم کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔اپنی کار کا لاک کھولتے اس نے شہلا بیگم پر ایک کڑی نظر ڈالی تھی۔
''بیٹا! مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔یہ آپ نہیں آپ کے بڑوں کی زبان بول رہی ہے۔''شہلا گو کہ اندر ہی اندر تپ اٹھی تھیں لیکن بظاہر بڑی نرمی دکھائی تھی۔
''اچھا نگی بیٹا' میں چلتی ہوں۔''اس سے پہلے کہ معظم انہیں کوئی اور جواب دیتا وہ فوراً اپنی گاڑی کی سمت بڑھی تھیں۔
''معظم! تم نے ممی کے ساتھ اچھا بی ہیو نہیں کیا ہے۔''شہلا بیگم کی کار کے جانے کے بعد نگی اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی اسے معظم کا انداز بے حد ناگوار گزرا تھا۔
''میں نے تمہاری ماں کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی ہے۔''معظم دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جھلا اٹھا تھا۔

''ایسے تو میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' نگی نے بھی اس پر چڑھائی کر ڈالی تھی۔ وہ بھی دوسری سمت سے آ کر دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگئی تھی۔

''اترو..... فوراً تمہارے پاس میرے لئے وقت نہیں ہے۔ میرا ہی دماغ خراب ہے جو تمہارے پیچھے خوار ہو رہا ہوں۔'' معظم نگی کو پھاڑ کھانے کو دوڑا تھا۔ معظم کو اس پر بے حد غصہ تھا۔ یہ حرکت اس نے پہلی بار نہیں کی تھی بلکہ اس ماہ تو ہر ویک اینڈ پر اس نے شہلا بیگم کے گھر میں گزارا تھا۔ وہ جو اسے کچھ بدلتی ہوئی نظر آئی تھی ماں کے مل جانے سے وہ پھر پہلے جیسی دکھائی دینے لگی تھی۔

''میں گاڑی سے نہیں اتروں گی اگر ہمت ہے تو اتار دو۔'' اس کے غصہ سے نگی ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئی تھی۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ہر ویک اینڈ اپنی ممی کے پاس گزارنے کی تم نے کوئی منت مان رکھی ہے۔'' اسے گھور کر معظم نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

''معظم! میں نے عمر کا ایک بڑا حصہ تم لوگوں کے ساتھ گزارا ہے اگر اب میں تھوڑا سا وقت اپنی ممی کو دے دوں گی تو اس میں کیا حرج ہے۔'' وہ یکلخت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ آخر معظم کا غصہ بھی تو ٹھنڈا کرنا تھا اپنی جلد بازی کا اسے فوراً احساس ہوا تھا۔

''اچھا' یہ بتاؤ ویک اینڈ پر موبائل بھی اپنی ممی کی ہدایت پر آف رکھتی ہو۔'' ڈرائیونگ کرتے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے وہ گویا جرح پر اتر آیا تھا۔ اس کا ارادہ اب لانگ ڈرائیو کا تھا۔

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں آج میرا موبائل چارج نہیں تھا۔'' نگی نے اب جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

''چلو پھر دیکھ لیں گے لیکن آج مجھے ایک سوال کا جواب دو کہ تمہاری زندگی میں میری کیا اہمیت ہے؟'' معظم کے لہجے میں غصہ ختم ہو چکا تھا لیکن وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''معظم! میرے لئے اس محبت کو امتحان نہ بناؤ' میں بھی تمہیں اسی شدت سے چاہتی ہوں جس شدت سے تم مجھے چاہتے ہو۔'' نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں وہ بے ساختہ ہی اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

''اے نگی' یہ کیا کر رہی ہو؟'' اس کے تراشیدہ سلکی بال اس وقت معظم کے شانے سے ہوتے ہوئے سینے کو چھو رہے تھے۔ ان سے اٹھنے والی امپورٹڈ شیمپو کی خوشبو اور اس پر سوانگی کے بدن کی خوشبو ایک مسحور کن حصار تھا' معظم کو ڈرائیونگ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے سڑک کے ایک کنارے گاڑی روک دی اور صد شکر تھا یہاں ٹریفک بھی اکا دکا نظر آ رہی تھی شاید وہ لوگ آبادی سے کہیں دور نکل آئے تھے۔

''ہاں' مجھے یقین نہیں آ رہا یہ وہی نگی ہے جو ہر وقت مجھ سے لاپروا اور بے نیاز رہتی ہے۔'' معظم تو اس کے اتنے سے اظہار پر سب کچھ بھلا کر سرشار سا ہو گیا تھا اسے نگی کا یہ روپ بے حد انوکھا لگا تھا۔

''پھر..... میں تمہیں کیسے مناتی۔'' نگی نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر شکوہ کیا تھا۔

''کون کافر ہے جو اس ادا پر نہ مر جائے نگی تم آج ضرور مجھے پاگل کرو گی۔'' وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

''ایس پی صاحب' بنے بنائے پاگل شخص کو میں پاگل نہیں بنا سکتی۔ اس کے شانے سے سر اٹھاتے وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

''ہاں..... پاگل ہوں صرف تمہاری محبت میں۔'' معظم بھی پہلی بار نگی کے سامنے کھل کر آیا تھا۔

''چلیں آزمائیں گے۔'' نگی نے خوشگوار موڈ میں معنی خیز بات کی تھی۔

''آزما لینا' وعدہ۔'' اس نے نگی کے سامنے اپنی شفاف مضبوط ہتھیلی پھیلا دی تھی۔

''اپنی بات پر قائم رہنا۔'' نگی نے بھی اپنا نازک گلابی سا ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔

''ہوں..... بس نگی' جب سے تمہاری ممی تمہیں ملی ہیں مجھے اک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔'' ہنکارا بھرتے معظم نے اس کا ہاتھ محبتوں کی شدت سے دباتے ہوئے اپنا خدشہ ظاہر کر دیا تھا۔

''میری ممی' بہت اچھی ہیں معظم۔'' وہ خود اس کی ماں کے ناپک پر آ گیا تھا اور اب اسے اپنی ماں کے لئے راہ ہموار کرنی تھی۔ اس نے نگی کا ہاتھ چھوڑ کر دوبارہ کار اسٹارٹ کی تھی وہ اس کی زبان سے شہلا بیگم کی تعریفیں بغور سن رہا تھا۔ کاش میں تمہیں حقیقت بتا سکتا نگی۔

پھر بڑے خوشگوار موڈ میں معظم نے اسے ہاسٹل کے گیٹ پر اتارا تھا۔

○○○

گزرتے دنوں میں نگی اور شہر بانو کے آخری سمسٹر بھی ہو گئے۔ چھٹیاں کچھ زیادہ ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ دونوں گھر آ گئیں۔ شہلا بیگم اگر پاکستان میں ہوتیں تو اس بار نگی کا ارادہ ماں کے پاس چھٹیاں گزارنے کا تھا۔ خیر فون پر اس کا شہلا بیگم سے رابطہ ہنوز قائم تھا۔ ان کی چھٹیوں کو دو ہی دن گزرے تھے۔ سید مکرم علی شاہ بھی اس بار گھر میں ہی موجود تھے۔ ان دونوں کے آنے سے گھر میں رونق سی ہو گئی تھی حالانکہ نگی اور شہر بانو کی غیر موجودگی میں شاہدہ بیگم اور ان کی دونوں بہوئیں بھی تقریباً روز ہی زیب النساء کے پاس چکر لگاتی تھیں کیونکہ ان کا گھر بھی قریب ہی تھا اس لئے زیب النساء کو تنہائی کا زیادہ احساس نہیں ہوتا تھا پھر انہی دنوں اچانک ہی حیدرآباد سے زیب النساء کی خالہ زاد بہن زرینہ بیگم اپنے شوہر سعادت علی شاہ کے ساتھ پہنچ گئیں۔ ان کے آنے کا مقصد اپنے بیٹے حماد علی شاہ کے لئے شہر بانو کا پروپوزل تھا۔ زیب النساء اور سید مکرم علی شاہ کو اس رشتے میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی تھی۔ ایک تو رشتے داری بھی تھی خاندان بھی ان کا ہم پلہ تھا اور دوسرا حماد علی شاہ بھی ان کا دیکھا بھالا تھا۔ وہ اپنا بزنس سنبھالتا تھا۔ زیب النساء اور مکرم علی شاہ شہر بانو کے لئے بھی کسی ایسے گھر کی توقع رکھتے تھے اس رشتے پر وہ لوگ خوش تھے۔ معظم سے بھی فون پر مشورہ کیا گیا تھا۔ اسے بھی شہر بانو کے لئے یہ رشتہ بہترین لگا تھا۔ زیب النساء نے شہر بانو کی رضامندی چاہی تو کچھ دیر کے لئے تو وہ خاموش ہو گئی۔ عجیب تذبذب کا شکار تھی۔ دل میں ایک درد سا اٹھا تھا۔ لیکن دماغ نے سرزنش کی تو اقرار میں سر جھکا دیا۔ آخر وہ انکار بھی کس بل بوتے پر کرتی۔ اس کے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ منگنی کی رسم ہو گئی اور شادی اس کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد طے پائی تھی۔ یعنی اب نگی اور شہر بانو کی شادی ایک سال بعد اکٹھے ہونا تھی۔

شہر بانو کے ساس سسر بہت اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ خیر ان کو تو ہوش سنبھالتے شہر بانو نے اس گھر میں آتے جاتے دیکھا تھا لیکن حماد علی شاہ کو اس نے اس گھر میں تو نہیں دیکھا ہاں خاندانی تقریبات میں ضرور دیکھا تھا۔ وہ ایک بے حد سنجیدہ اور ریزرو رہنے والا شخص تھا۔ منگنی کے دوسرے دن اس کے سسرالی حیدرآباد روانہ ہو گئے تھے اور وہ دونوں بھی پندرہ دن کی چھٹیاں گزار کر اپنے ہاسٹل آ گئی تھیں۔ اس دوران معظم نواب شاہ نہیں آیا تھا۔

ان کی فائنل ایئر کی کلاسز شروع ہو گئی تھیں پریویس میں بھی ان دونوں کے اچھے مارکس آئے تھے۔ شہر بانو نے کتابوں میں پناہ ڈھونڈ لی تھی لیکن جو تبدیلی اس کی زندگی میں آ چکی تھی اسے وہ کسی قیمت پر فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا.....
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

منگنی کے بعد شہر بانو کے جذبات کچھ اسی شعر کی عکاسی کر رہے تھے لیکن وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی۔ حماد علی شاہ اس کی زندگی میں آ چکا تھا۔ یہ بات وہ اپنے ذہن میں بٹھا چکی تھی۔ گو کہ ان کی منگنی کو دو ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا لیکن حماد علی شاہ اور اس کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے مرد ہو کر پہل نہیں کی تھی وہ تو پھر مشرقی عورت تھی کم از کم اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ پہل کرتی۔

اس دن بھی وہ نوٹس مکمل کر کے سونے کی تیاری کر رہی تھی اور رات کے ساڑھے گیارہ کا عمل تھا جب نگی نے اپنے روم میں قدم رکھے تھے وہ گھنٹے بھر سے اپنی دوست کے کمرے میں تھی۔

''میں سمجھی تم سو چکی ہو گی۔'' نگی نے اسے جاگتے دیکھ کر کہا تھا۔

''وہ کچھ نوٹس مکمل کر رہی تھی میں۔'' شہر بانو اپنا تکیہ درست کرتے گویا ہوئی۔

''ارے شہر بانو' یہ تمہارے حماد صاحب کبھی فون بھی کرتے ہیں یا؟'' نگی کو یکلخت اس بات کا دھیان آیا۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر شریر نظروں سے شہر بانو کی سمت دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' شہر بانو اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی اس لئے بغیر کسی تردد کے جواب دیا تھا۔

''ہوں تو حماد علی شاہ منگنی کروا کے خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔''

''ویسے کیا تم کرتی ہو فون وغیرہ۔'' نگی کا انداز اب معنی خیز تھا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے۔ جب وہ مرد ہو کر اتنے ریزرو ہیں تو میں تو پھر ایک لڑکی ہوں۔'' جو بات اس کے دل میں تھی وہ اس کی زبان پر بھی آ گئی تھی۔

''بالکل' ٹھیک کر رہی ہو تم..... ان مردوں کو زیادہ منہ نہیں لگانا چاہئے۔ اب دیکھ لو تمہارے ''شاہ جی'' میرے بغیر سانس بھی نہیں لیتے۔'' نگی نے بات بدلتے اپنی خوبی بتا کر ایک قہقہہ لگایا تھا۔

اصل میں آج کل لندن سے فون کے ذریعے بھی شہلا بیگم بیٹی کی برین واشنگ کر رہی تھیں۔ یہ اس کا نتیجہ تھا جو نگی ایسی باتیں کر رہی تھی۔

شہر بانو کو اس کی بات اور انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ وہ بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

ان کے فائنل ایئر کا دوسرا سمسٹر ختم ہوا تھا جب شہلا بیگم جہانگیر احمد کے ساتھ پاکستان پہنچ گئیں۔ جہانگیر احمد نے تو نگی کو دیکھتے ہی ''پرنس'' کا نام دے دیا تھا۔ جس پر نگی تو بہت خوش ہوئی تھی جبکہ شہلا بیگم دل ہی دل میں جل گئی تھیں۔ وہ شوہر کی ان حرکتوں سے عاجز تھیں لیکن مجبوری تھی کہ وہ انہیں کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔ شہلا بیگم کی آمد پر نگی پھر پرانی روش پر چل پڑی تھی۔ بلکہ آج کل تو اس کی سرگرمیاں کچھ پراسرار قسم کی ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی پڑھائی کو نام دینے کے بجائے ماں کو نام دے رہی تھی۔ شہر بانو سب دیکھ رہی تھی لیکن وہ استفسار کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی لیکن اسے تجسس ضرور تھا۔

اور پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اس کا تجسس ٹی وی پر چلتے ایک کمرشل اشتہار نے ختم کر دیا۔ ٹی وی اسکرین پر وہ انتہائی حسین لگ رہی تھی چند لمحوں کے لئے تو شہر بانو بھی دنگ رہ گئی تھی۔ اس کے ایک ہی کمرشل نے پوری یونیورسٹی میں دھوم مچا دی تھی۔

''خدا جانے اب گھر والوں کا کیا حال ہو گا۔'' شہر بانو کی نظروں کے سامنے مکرم علی شاہ اور معظم کے چہرے گھوم گئے تھے۔

''تم نے بتایا نہیں نگی' سب کچھ چپکے چپکے ہی کرتی چلی گئیں۔'' اس دن موقع ملتے ہی شہر بانو نے ہلکا سا شکوہ کر ڈالا تھا۔

''میں نے سب کو سرپرائز دیا ہے۔ تم بتاؤ کیسا لگا میرا کمرشل؟'' نگی بے حد خوش تھی۔

''بہت اچھا.....'' شہر بانو نے مختصر کہا۔ اب وہ اسے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ تم نے پھر گھر والوں کو دکھ دینے کا ساماں پیدا کر دیا ہے۔

اس کا کمرشل چلتے دو ہی دن گزرے تھے کہ معظم ہاسٹل پہنچ گیا۔ شام کا وقت تھا۔ نگی حسب معمول شہلا بیگم کی طرف گئی ہوئی تھی۔ پیون شہر بانو کو معظم کے آنے کی اطلاع دے کر واپس چلا گیا تھا۔ معظم اکثر ویک اینڈ پر آنے لگا تھا لیکن آج ویک اینڈ نہیں تھا۔ شہر بانو کے دل کو کسی انہونی کا شک ہوا تھا وہ اپنا دوپٹہ درست کرتی روم سے نکل آئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ کمرے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوتے آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ نگی کہاں ہے؟'' معظم صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر ایکدم اٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک واضح اضطراب نظر آ رہا تھا۔

''وہ..... تو' اپنی ممی کی طرف گئی ہوئی ہے۔'' شہر بانو نے اس کے اضطراب کو دیکھتے ایک بار پھر آہستگی سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کے اس سوال کے پیچھے چھپے معنی جان گئی تھی۔

''ہوں تو ماں سے ملنے کے رنگ تو وہ ہمیں دکھا رہی ہے۔ دیکھا تم نے اسے ٹی وی اسکرین پر۔'' معظم نے دبے دبے غصے سے ہنکارا بھرتے اس سے سوال کر ڈالا۔

''جی'' شہر بانو کا جواب مختصر تھا۔ وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

''میں جانتا ہوں شہر بانو تم اس کے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتی ہو لیکن تم اس کی سرگرمیوں سے مجھے تو انفارم کر سکتی تھیں۔ حالانکہ تمہارے پاس میرا سیل نمبر اور گھر کا نمبر بھی موجود ہے۔'' معظم کے لہجے میں غصہ کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔

''شاہ جی! اگر آپ میرا یقین کرتے ہیں تو یہ جان لیجئے کہ مجھے بھی دو دن پہلے ہی نگی کی سرگرمیوں کے بارے میں علم ہوا ہے اور اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو میں آپ کو ضرور انفارم کرتی۔'' شہر بانو متانت بھرے انداز میں کہتے ہوئے شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''سوری..... مجھے تم سے یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' معظم کو فوراً احساس ہوا تھا کہ وہ خواہ مخواہ اسے مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ اب نگی کی واپسی کب تک ہوگی؟'' معظم نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اکثر رات کے کھانے کے بعد ہی نگی آتی ہے۔ کبھی اس کی ممی خود چھوڑنے آتی ہیں کبھی ڈرائیور کے ساتھ آتی ہے۔'' شہر بانو نے تفصیل سے بتایا تھا۔ اب تو وہ بھی شہلا بیگم سے ہوسٹل میں مل چکی تھی۔

''بابا جان اور امی جان بھی اسے ٹی وی اسکرین پر دیکھ چکے ہیں وہ لوگ اس قدر پریشان ہیں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔'' معظم کے چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔

''میں ان کی بھی پریشانی سمجھتی ہوں۔ شاہ جی لیکن اس مسئلہ کا کوئی حل تو ہوگا ناں۔ آپ ایسا کریں نگی کو اس کی ممی کے گھر سے پک کر لیں۔ آمنے سامنے بات ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' شہر بانو نے مشورہ دیا تھا۔

''اس کی ماں کا گھر تو مجھے معلوم ہے لیکن میں فی الحال وہاں جانا نہیں چاہتا۔ نہ جانے وہ عورت ہمیں اب کون سا دکھ دینا چاہتی ہے۔'' معظم کے چہرے پر تفکرات کے گہرے سائے تھے۔

''اسی وقت کمرے کا پردہ اٹھا کر نگی اندر داخل ہوئی تھی۔ آہٹ پر وہ دونوں ہی اس کی سمت متوجہ ہوئے تھے۔

شہر بانو کو حیرت ہوئی تھی کہ آج وہ جلدی کیسے آ گئی وہ فوراً کمرے سے نکل گئی تھی۔

''خیریت..... آج آپ اپنی ممی کے درشن کر کے کچھ جلدی واپس نہیں آ گئیں۔'' معظم کا لہجہ بھرپور طنز سے بھرا ہوا تھا۔

''جب ساری معلومات شہر بانو سے لے چکے ہو تو مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔'' وہ بغیر کسی خوف کے بولی تھی۔

''دیکھونگی جب تمہیں پہلے قدم پر ہی اس کام سے روک دیا گیا تھا تو پھر تم کیوں باز نہیں آتی ہو۔'' اس کے لہجے میں غصہ نمایاں تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم حساب کتاب لینے پہنچ جاؤ گے۔'' نگی نے کسی مروت کے بغیر بے حد تلخی سے جواب دیا تھا کیونکہ شہلا بیگم نے اسے آتے وقت اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا' تم جو مرضی کرتی پھرو ہم تم سے کچھ پوچھیں بھی نہیں' جانتی ہو بابا جان اور امی جان کس قدر پریشان ہیں۔'' وہ غصہ میں جھلا اٹھا تھا۔

''معظم! مجھ پر خواہ مخواہ کا غصہ مت اتارو۔ ماڈلنگ میرا شوق ہے۔ اور تم لوگ میرے اس شوق پر پابندی نہیں لگا سکتے۔'' نگی سلگ گئی تھی۔

''ماڈلنگ..... ماڈلنگ..... آگ نہ لگا دوں میں تمہارے اس شوق کو۔'' معظم طیش میں آ کر چلاتے چلاتے رہ گیا تھا۔ صرف ہاسٹل کے خیال سے خود پر کنٹرول کرنے پر مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔

''سید معظم علی شاہ میں ماڈلنگ کروں گی اور ضرور کروں گی تم میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔ اوکے۔'' نگی بھی جواباً طیش میں آ کر تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

معظم اس کی دیدہ دلیری پر متحیر رہ گیا تھا۔ اس کے اندر ایک آگ سی بھڑکی تھی جس پر اس نے اس وقت صبر کے گھونٹ پئے تھے۔ وہ اس کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا اسی لئے واپسی کی راہ لی تھی۔

دوسرے دن نگی یونیورسٹی سے ہاسٹل نہیں آئی بلکہ شہلا بیگم کی طرف پہنچ گئی اور معظم کے ساتھ ہونے والا جھگڑا ان کے گوش گزار کر دیا۔

شہلا بیگم خاموش تھیں بیٹی کے منہ سے اس کے اپنوں کی مخالفت سن کر دل ہی دل میں بے حد مسرور ہوئیں وہ حالات کو اسی رخ پر دیکھنا چاہتی تھیں۔

''ممی! معظم جیسا پڑھا لکھا بندہ اس قدر دقیانوسی سوچ رکھتا ہے مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔'' شہلا بیگم کو خاموش دیکھ کر وہ پھر گویا ہوئی تھی۔

''نگی بیٹا! یہ وقت افسوس کرنے کا نہیں بلکہ سوچنے کا ہے' تمہیں معظم کے ساتھ ساری عمر گزارنی ہے میں نے تو اپنے شوق کو چھوڑ کر تمہارے بابا سے شادی کی تھی پھر بھی ان لوگوں نے مجھے نہیں اپنایا اور تم تو اپنے شوق کے ساتھ معظم کو بھی اپنانا چاہتی ہو کیا وہ لوگ تمہیں قبول کریں گے؟'' شہلا بیگم آگ تو کب کی سلگا چکی تھیں' اب بڑی معصومیت سے انجان بن رہی تھیں۔

''معظم مجھے بہت چاہتا ہے ممی۔'' نگی کے لہجے میں ایک مان سا اترا تھا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو بیٹا۔ یہی وقت ہے معظم کی محبت کو آزمانے کا' اگر وہ واقعی تم سے سچی محبت کرتا ہے تو کبھی تمہارے شوق میں حائل نہیں ہوگا اور اگر اس کی محبت سچی نہ ہوئی تو یقیناً وہ تمہاری راہ میں حائل ہو جائے گا۔'' شہلا بیگم نے لوہا گرم دیکھ کر آخری ضرب بھی لگا دی تھی۔

نگی نے آنکھوں میں تحیر سمیٹے ان کی سمت دیکھا تھا۔ ان کی باتیں اس کے دل کو چھو رہی تھیں یا پھر وہ یہ سب سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس کے سامنے یہ بات دوسری مرتبہ دہرائی تھی۔

اس دن کے بعد معظم نے نگی سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ بلکہ گھر والوں میں سے کسی نے بھی رابطے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ جانے یہ خاموشی کیوں اختیار کی گئی تھی اور اس کا فائدہ نگی نے خوب اٹھایا تھا۔ وہ دھڑا دھڑ ٹی وی کمرشلز کر رہی تھی اور انہیں گزرتے دنوں میں نگی شہلا بیگم کے ساتھ دبئی اور شارجہ کے ٹرپ پر نکل گئی۔ شہر بانو کو بھی اس نے لاعلم رکھا تھا۔ اسے تو دوسرے دن نگی کی کلاس فیلوز سے معلوم ہوا تھا۔ پھر نگی کی خود سری یہ رنگ لائی کہ مکرم علی شاہ کو ہارٹ پرابلم ہو گئی۔ معظم تو سب بھول بھال گیا وہ ماں باپ دونوں کو اپنے پاس کراچی لے آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ وہ ہاسپٹل میں رہے تھے۔ اس دوران شہر بانو انہیں تین چار بار دیکھنے آئی تھی۔ مستقل آ کر وہ رہ نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کے فائنل سمسٹر چل رہے تھے لیکن زیب النساء نے اسے کہہ دیا تھا آخری پیپر والے دن وہ ڈرائیور کو بھیج کر اسے گھر بلوا لیں گی اور معظم نے شہر بانو کو تاکید کی تھی کہ جیسے ہی نگی آئے وہ فوراً اسے انفارم کرے کیونکہ نگی نے موبائل سے بھی رابطہ ختم کیا ہوا تھا اور سید مکرم علی شاہ اور زیب النساء اب یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ نگی کے آتے ہی معظم کی شادی کر دی جائے گی۔ ان کے خیال میں نگی کی لگامیں اسی طرح کسی جا سکیں گی۔ معظم کو بھی والدین کا فیصلہ منظور تھا۔

وہ بھی اب نگی کو تابو کرنا چاہتا تھا بہت ڈھیل دے دی تھی اسے۔

اس دن معظم اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا جب شہر بانو نے اسے موبائل پر اطلاع دی تھی کہ کل سے نگی اپنی ممی کے ساتھ واپس آ چکی ہے اور ابھی ابھی وہ ہاسٹل پہنچی ہے۔ معظم نے اسے اپنے آنے کا کہہ کر گھر پر ماں باپ کو بھی اس کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ جواباً سید مکرم علی شاہ نے اسے کچھ ہدایات دی تھیں جسے اس نے خاموشی سے سنا تھا۔

ہاسٹل پہنچ کر وہ اندر نہیں گیا تھا بلکہ نگی کو اپنے آنے کی اطلاع بھجوا کر باہر گاڑی میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد نگی اسے ہاسٹل کے گیٹ سے باہر آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ اسے دیکھ کر معظم نے نظر کا زاویہ بدل کر ونڈ اسکرین کی سمت دیکھنا شروع کر دیا تھا جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

''ہائے معظم یہ تم ہو۔'' وہ ہنستی مسکراتی کھڑکی میں جھکی اسے اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی۔

''کیوں میں نہیں آ سکتا تھا۔'' معظم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔ آج وہ اسے دو ڈھائی ماہ بعد دیکھ رہا تھا۔ نئے ہیئر اسٹائل میں وہ اسے بے حد دلکش اور فریش دکھائی دے رہی تھی۔ آخری لڑائی کا اس کے چہرے پر کوئی تاثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''بیٹھو۔'' معظم کا لہجہ نارمل تھا۔

''کیا تم نے میرے پیچھے اپنے موکل چھوڑے ہوئے ہیں جو میرے آنے کی خبر مل گئی۔'' نگی شرارتی انداز میں کہتی کار کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کاش! میں ایسا کر سکتا۔ میں نے شہر بانو سے کہا تھا اسی نے مجھے تمہاری آمد کی اطلاع دی تھی۔'' معظم نے ہنوز نارمل لہجے میں کہتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

''ویسے ایک بات تو بتاؤ..... یہ یونیفارم میں ملبوس ایس پی اور یہ سرکاری گاڑی کہیں مجھے گرفتار تو نہیں کرنے آئے ہو۔'' نگی کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

''میں یہ کام چھپ کر نہیں کروں گا بلکہ علی الاعلان کروں گا۔'' ڈرائیونگ کرتے اس کی نگاہیں ونڈ اسکرین پر تھیں لیکن لہجہ معنی خیز تھا۔

''اچھا۔'' وہ ہنسی تھی اور دل ہی دل میں حیران بھی تھی کہ معظم ابھی تک ماڈلنگ کے ٹاپک پر کیوں نہیں آیا حالانکہ اس کے چھ سات کمرشلز ٹی وی پر آ چکے تھے۔

معظم نے جواباً گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھا تھا اسٹائلش پرپل سوٹ پر گلے میں لاپروائی سے دوپٹہ اوڑھے وہ اس کے دل کے تاروں کو چھو گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس سے کس قدر بدگمان تھا یہ محبت اسے بے بس بنا رہی تھی۔

''اچھا..... یہ تو بتاؤ ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' نگی یکلخت کسی خیال کے تحت چونکی تھی۔

''گھر جا رہے ہیں' بابا جان اور امی جان آج کل میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔ بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ادھر ڈاکٹر سے ان کا ٹریٹ منٹ چل رہا

ہے۔''معظم نے متانت بھرے انداز میں کہتے ہوئے ڈرائیونگ کی طرف دھیان دیا تھا۔
''کیا ہوا بابا جان کو؟'' نگی فکرمند دکھائی دے رہی تھی۔
''ہارٹ پرابلم ہوگئی ہے انہیں۔''معظم سنجیدہ تھا۔
''مگر کیسے؟'' نگی بے ساختہ بولی تھی۔
''کیا مطلب تمہارا' انہیں بھی دکھ دینے والے لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔'' گھنی مونچھوں تلے لب بھینچ کر اس نے جیسے خود کو بہت کچھ کہنے سے روکا تھا۔مکرم علی شاہ کی نصیحت اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔
نگی اس کی سمت دیکھتی رہ گئی۔اس نے شاید پہلی بار اس کے لب و لہجے کا نوٹس لیا تھا۔گاڑی میں ایک معنی خیز خاموشی چھا گئی تھی۔
اسی اثناء میں اس کی گاڑی گھر کے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی تھی۔واچ مین نے فوراً گیٹ وا کر دیا تھا۔
معظم کی معیت میں وہ اندر پہنچی تو مکرم علی شاہ اور زیب النساء اس کی توقع کے برعکس بڑی محبت و شفقت سے ملے تھے۔ادھر ادھر کی باتوں کے بعد مکرم علی شاہ اپنے مطلب کی بات پر آ گئے تھے۔
''نگی بیٹے' تم نے جس پروفیشن کی چوائس کی ہے ہم نے تمہیں پہلے قدم پر ہی روک دیا تھا۔لیکن اس کے باوجود تم نے ہمارا کہا نہیں مانا۔خیر ہم نے صبر کیا۔ ہمارے خیال میں اب تمہارا شوق پورا ہو گیا ہوگا۔اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری اور معظم کی شادی اسی مہینے کر دی جائے۔'' سید مکرم علی شاہ نے بڑی طمانیت سے اپنا مدعا اس کے سامنے پیش کر دیا تھا۔
''جی۔'' نگی جو زیب النساء کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی یکلخت بری طرح چونکی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی شادی کی بات بھی ہو سکتی ہے۔
''لیکن میری پڑھائی ابھی ادھوری ہے۔'' بڑا سوچ کر اس نے جواب تیار کیا تھا یہ تو اسے معلوم ہو گیا تھا وہ اس کی ماڈلنگ پر خوش نہیں ہیں۔
''ہونہہ' پڑھائی سے تو تمہارا لگاؤ دکھائی دے رہا ہے' شادی کے بعد پڑھ لینا۔ویسے آج کل تمہارے فائنل سمسٹر ہو رہے ہیں۔شاید تمہیں اطلاع نہیں ملی۔'' معظم نے گویا چڑ کر اس کا تمسخر اڑایا تھا۔
نگی خاموش تھی لیکن اس کا موڈ یکلخت ہی بگڑا تھا۔اس نے سلگ کر معظم کی سمت دیکھا تھا۔
''ہاں بیٹے' شادی کے بعد پڑھائی مکمل کر لینا۔'' مکرم علی شاہ نے بھی بیٹے کی تائید کرتے ہوئے اسے نرمی سے مخاطب کیا تھا۔
''پھر بابا جان میری بھی ایک شرط ہے۔میں شادی کے بعد بھی ماڈلنگ کروں گی۔میں اپنے شوق سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے سب کے سروں پر دھماکا کیا تھا۔
''تو پھر مجھ سے تو دستبردار ہو سکتی ہو ناں۔'' معظم نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے کمرے میں گویا دوسرا دھماکا کیا تھا۔
''ہاں اگر تم میرے شوق میں حائل ہوئے تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔'' نگی خودسری سے بولی تھی۔
''نگی' معظم یہ تم دونوں کون سی بحث لے بیٹھے ہو۔تمہارے بڑے موجود ہیں فیصلہ کرنے کے لئے۔'' سید مکرم علی شاہ نے مداخلت کرتے دونوں کو سختی سے ٹوکا تھا۔
''میں نے کچھ غلط نہیں کہا ہے بابا جان۔'' نگی ہنوز خودسری والے انداز میں تھی۔
''ہماری نرمی کا تم ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔پورے خاندان میں تم نے ہمیں مشہور کر دیا ہے اب اور کیا چاہتی ہو۔ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمارا اپنا ہی خون ہمیں دکھ دینا شروع کر دے گا۔بہت افسوس ہو رہا ہے ہمیں۔'' مکرم علی شاہ بے حد برہم نظر آ رہے تھے۔
''بابا جان یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔کون سے دکھ میں نے آپ لوگوں کو دیئے ہیں۔کون سے ناجائز کام مجھ سے ہو گئے ہیں جو آپ نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ارے ایک میرے ذرا سے شوق کو آپ اپنی انا کا مسئلہ بنا رہے ہیں۔آپ لوگوں نے میری ماں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا۔انہوں نے اپنا شوق چھوڑ کر اس گھر کو اپنا گھر بنایا تھا۔آپ لوگوں نے انہیں قبول ہی نہیں کیا آ.....''
''اسٹاپ اٹ.....نگی۔''معظم نے آگ بگولہ ہوتے اس کی بات کاٹی تھی۔
میرا خیال ہے سید صاحب ان دونوں کا نکاح آج ہو جانا چاہئے۔'' زیب النساء نے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد شوہر کو مشورہ دیا تھا۔نگی کے رنگ ڈھنگ انہیں بے حد دکھ دے رہے تھے۔یہ وہ لڑکی تھی جسے انہوں نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی اور آج وہ ان کے سامنے بیگانی بنی کھڑی تھی۔
''ہوں' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' مکرم علی شاہ بھی یہی سوچ رہے تھے۔
''ہونہہ' نکاح' میری ممی بالکل ٹھیک کہتی ہیں اس دولت کی خاطر ہی تو آپ نے مجھے معظم کے ساتھ منسوب کر رکھا ہے میری شادی باہر ہو گی تو آپ کی دولت بھی باہر جائے گی۔'' وہ پھنکارتی ہوئی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''میری بات آپ لوگ کان کھول کر سن لیں مجھے معظم سے شادی نہیں کرنی اور مہربانی فرما کر میری پراپرٹی کے کاغذات مجھے دے دیں' مجھے اب آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا۔میں ہمیشہ کے لئے اپنی ممی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔'' آج نگی بالکل اپنی ماں کے رنگ میں ڈھل گئی تھی۔شہلا بیگم جو ایک ڈیڑھ سال سے اس کی برین واشنگ کر رہی تھیں اس کا رزلٹ اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں تو شاید شادی مرگ کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتیں۔
''ہوں.....بہت خوب معظم ہنکارا بھرتے ہوئے سنگل صوفے سے اٹھ کر نگی کے سامنے آ کھڑا ہوا اس کی نظروں میں ایک قہر سا نظر آ رہا تھا۔
''نگی ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئی تھی۔اس نے بھی ناگواری سے اس کی سمت دیکھا تھا۔
''اگر شہلا بیگم نے تمہارے ذہن میں کوئی خناس بھر دیا ہے تو اسے باہر نکال دو نگینہ اکبر علی شاہ۔'' معظم نے کھردرے لہجے میں کہتے ہوئے خون آشام نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر بڑی پھرتی سے اس کی کلائی اپنی گرفت میں لیتا ہوا کھینچ کر کسی کمرے کی سمت بڑھا تھا۔وہ شور مچاتی مزاحمت کرتی رہ گئی تھی۔اس سارے عمل کے دوران مکرم علی شاہ اور زیب النساء خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔
وہ نگی کو کسی کمرے میں بند کر کے غصہ میں بھڑکتا ہوا واپس لاؤنج میں آ کر صوفے پر ڈھے گیا تھا۔
پھر اس مسئلے کے کھڑے ہونے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ہی شہلا بیگم کے فون مکرم علی شاہ کے لئے آنا شروع ہو گئے۔نگی کے پاس اپنا سیل فون تھا اس نے ساری روداد ماں کو رو رو کر سنائی تھی۔دوپہر رات میں ڈھل گئی۔شہلا بیگم کے کئی فون آ چکے تھے ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ میری بیٹی کو شرافت سے چھوڑ دو لیکن مکرم علی شاہ نے بھی انہیں صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ہماری اولاد ہے ہم نے اسے سنبھال لیا ہے۔
لیکن رات ایک بجے تک شاید شہلا بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس وقت بھی انہی کا فون تھا ان کا فون مکرم علی شاہ خود اٹینڈ کر رہے تھے' معظم کو وہ فون نہیں اٹھانے دے رہے تھے۔
''ہیلو'' سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا۔
''مکرم علی شاہ.....میں آخری بار کہہ رہی ہوں.....میری بیٹی میرے حوالے کر دیں ورنہ نتیجے کے ذمے دار آپ ہوں گے۔'' شہلا بیگم کا لہجہ اس بار دھمکی آمیز تھا۔
''نگی کو آپ کے حوالے نہیں کر سکتے ہاں.....کل اسے ہم معظم کے حوالے کر رہے ہیں۔یعنی دونوں کا نکاح ہے۔اطلاع تو آپ کو نگی سے مل گئی ہو گی۔ہم صرف یاددہانی کروا رہے ہیں۔لہٰذا آپ سکون سے بیٹھ جائیں اور ہمیں دھمکیاں مت دیں۔'' مکرم علی شاہ نے درشت لہجے میں ان کی طبیعت صاف کر دی تھی۔
''مکرم علی شاہ! مجھے آپ اچھی طرح جانتے ہیں' میں دھمکیاں نہیں دیتی' بلکہ اس پر عمل بھی کرتی ہوں اور.....ہاں.....نگی کے نکاح کرنے کی بھول مت کیجئے گا.....یا ہو سکتا ہے نکاح کی نوبت ہی نہ آئے۔'' مبہم سے انداز میں کہتے ہوئے شہلا بیگم نے فون رکھ دیا تھا۔
''ہونہہ.....اب آپ کچھ نہیں کر سکتی ہیں شہلا بیگم۔'' مکرم علی شاہ نے غصہ میں بڑبڑاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔
شہلا بیگم کی دھمکیاں خالی دھمکیاں نہیں تھیں۔دوسرے دن انہوں نے اپنا کام کر دکھایا۔شہر بانو کو وہ کڈنیپ کروا چکی تھیں۔وہ آخری پیپر دے کر یونیورسٹی سے نکل کر کچھ فاصلے پر بنے اپنے ہاسٹل کی سمت جا رہی تھی کہ معاً ایک گاڑی اس کے نزدیک آ کر رکی اور ڈرائیور نے باہر نکل کر اسے سید مکرم علی شاہ کی طبیعت کی خرابی اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونے کی خبر دی تھی۔شہر بانو کو ویسے بھی آج گھر جانا تھا۔کیونکہ زیب النساء نے رات فون پر اسے نگی والی ساری کہانی سنا دی اور یہ بھی کہا تھا کہ ڈرائیور تمہیں لینے پہنچ جائے گا۔اپنا سامان سمیٹ کر آج گھر آ جانا اور ویسے بھی آج بہت سی لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو سدھار رہی تھیں۔
اس خبر نے تو شہر بانو کے اوسان ہی خطا کر دیئے۔اس نے اپنے سامنے کھڑے اس نئے ڈرائیور پر ذرا برابر بھی دھیان نہیں دیا اور فوراً گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی اور پچھلی سیٹ پر چھپے وجود نے اٹھ کر بڑی آہستگی سے شہر بانو کے چہرے پر کلوروفارم سے بھرا رومال رکھ دیا تھا اس افتاد پر شہر بانو کسی مزاحمت کے بغیر بے ہوش ہو چکی تھی۔بے ہوش پڑی شہر بانو کے ہاتھ میں صرف ایک ہینڈ بیگ تھا جس میں اس کا سیل فون بھی تھا وہ بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔
ان کی گاڑی کے پیچھے آتی شہلا بیگم کی کار تھی اپنی کامیابی پر وہ کسی فاتح جرنیل کی طرح خوش ہو رہی تھیں۔
مکرم علی شاہ زیب النساء اور معظم ابھی تک گم صم تھے ان تینوں کو کچھ دیر پہلے آنے والے شہلا بیگم کے فون پر جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔شہلا بیگم نے شہر بانو کو اپنا ٹارگٹ بنائے گی۔یہ تو ان کے تصور میں بھی نہیں۔وہ جو معظم کے نکاح کے لئے اپنے چند دوستوں اور قاضی کو مدعو کر چکے تھے سب کچھ آناً فاناً کینسل ہو گیا فی الحال انہیں شہر بانو کو شہلا بیگم کے چنگل سے آزاد کرانا تھا جس کے لئے معظم اپنے تمام اختیارات استعمال کرنے کو تیار کھڑا تھا لیکن شہلا بیگم اپنا مطالبہ پیش کر چکی تھیں کہ نگی کو میرے حوالے کر دو اور شہر بانو کو لے جاؤ اور اب نگی کو ان کے حوالے کس طرح کیا جائے یہی بات سوچ سوچ کر ان سب کا دماغ شل ہو رہا تھا۔
معاً سید مکرم علی شاہ کا موبائل بج اٹھا۔کال شہلا بیگم کی تھی۔انہوں نے فوراً موبائل آن کر کے کان سے لگایا تھا۔
''دماغ ٹھکانے آیا سید مکرم علی شاہ۔'' شہلا بیگم ان کے بولنے سے پہلے ہی بڑے کروفر سے بولی تھیں۔
''خاتون.....ہمارا دماغ ٹھکانے پر ہے لیکن آپ کا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے ہمیں اس کا علاج بھی کرنا آتا ہے۔'' مکرم علی شاہ کو بے حد غصہ آ رہا تھا وہ دانت پیس کر گویا ہوئے تھے۔
''کیا کریں گے آپ؟ اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں گے یا اپنے بیٹے کی افسری دکھائیں گے دونوں کام بیکار جائیں گے۔میں بھی جہانگیر احمد کی بیوی ہوں اس شخص کے اثر و رسوخ سے آپ بھی واقف ہیں اور سب سے اہم بات سیاست میں آپ کا حریف بھی ہے ویسے بھی الیکشن نزدیک ہیں ایک پریس کانفرنس آپ کے خلاف کروا دی تو یہ جو نام نہاد عزت ہے ناں پورے ملک میں روشن ہو جائے گی۔'' شہلا بیگم نے بات ختم کرتے ایک مکروہ قہقہہ لگایا تھا۔

''بہت نیچ عورت ہو تم ...... کر لو جو کر سکتی ہو۔'' مکرم علی شاہ اغضبناک ہوتے دھاڑے تھے۔

معظم نے اشارے سے ان سے فون لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا وہ جیسے شہلا بیگم سے خود بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن انہوں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بیٹے کو منع کر دیا تھا۔ زیب النساء بھی شوہر کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی تھیں وہ دل ہی دل میں شہلا بیگم کو کوس رہی تھیں۔

''کرنے کو تو میں بہت کچھ کر سکتی ہوں ...... شہر بانو جوان اور بے حد حسین لڑکی ہے جوان تو کیا ایک بوڑھا مرد بھی اس پر فدا ہو سکتا ہے۔'' شہلا بیگم نے انہیں معنی خیز لہجے میں کچھ باور کرانا چاہا تھا۔

''شہلا بیگم اگر تم نے شہر بانو کو ہاتھ بھی لگایا تو ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے۔'' اس کا مطلب سمجھتے ہوئے مکرم علی شاہ کسی شیر کی طرح غرائے تھے۔

''تو پھر میری بیٹی کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں سوچنے کے لئے کل صبح دس بجے تک کا ٹائم دیتی ہوں۔ اور اگر دس سے ٹائم آگے بڑھا تو پھر آپ کی شہر بانو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اس لئے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے شہر بانو کی عزت کا ضرور خیال کیجئے گا۔ مجھے کمزور مت سمجھنا مکرم علی شاہ اگر اس کے بعد بھی تم لوگوں نے اپنی من مانی کی تو شہر بانو کی عزت تو گنواؤ گے میں اپنی بیٹی کے اغواء اور زبردستی کے نکاح کا کیس داخل کر کے خلع لے لوں گی اور ہاں ایک بار پھر یاد دہانی کروا دیتی ہوں کہ آپ کا بیٹا بھول کر بھی میری طرف ریڈ نہ کرے ورنہ اپنے بیٹے کی موت کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔'' شہلا بیگم نے کرخت لہجے میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

اور سید مکرم علی شاہ نے نڈھال سے انداز میں حرف بہ حرف بیٹے اور بیوی کے گوش گزار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت واقعی بے حد پریشان ہو گئے تھے۔ شہلا بیگم سے انہیں ہر طرح کے نقصان کی توقع تھی اور وہ نگی شہر بانو اور معظم کو کسی طرح سے نہیں کھونا چاہتے تھے۔

''بابا جان! میں شہلا بیگم کو شوٹ کر دوں گا۔'' معظم تو ساری کہانی سن کر بھڑک اٹھا تھا۔

''معظم! تم قانون کے محافظ ہو تم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گے۔'' مکرم علی شاہ کے لہجے میں سختی تھی۔

''تو پھر آپ مجھے میرا قانون کیوں نہیں استعمال کرنے دیتے ہیں۔ ایک ریڈ سے میں شہر بانو کو آزاد کروا سکتا ہوں۔'' اس کا انداز ہنوز بھڑکتا ہوا تھا۔

''معظم، معظم۔ ٹھنڈے دل سے میری بات سنو۔ بیٹے یہ مسئلہ اس طرح حل نہیں ہو گا جس طرح تم چاہتے ہو کیونکہ شہلا بیگم کے ساتھ جہانگیر احمد کھڑا ہے میں نہیں چاہتا کہ اس کے ہاتھوں تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔'' مکرم علی شاہ خود کو سنبھالتے ہوئے بڑے مشفقانہ انداز میں بیٹے کو سمجھا رہے تھے۔

''اگر جہانگیر احمد اثر و رسوخ والا بندہ ہے تو پھر آپ اپنا اثر و رسوخ کیوں نہیں استعمال کر رہے۔ ہم اس عورت کی دھمکیوں پر خاموش ہو جائیں۔'' معظم انتہائی بگڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''بیٹا ...... میں بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکتا ہوں لیکن شہلا بیگم اور جہانگیر احمد بہت شاطر ہیں وہ لوگ یہ قصہ میڈیا پر اچھالیں گے۔ ہماری عزت اور زیادہ خراب ہو گی۔ مکرم علی شاہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بہت دور کی سوچ رہے تھے اور ان کی سوچ بالکل ٹھیک تھی۔

''تو پھر آپ اس مسئلے کو مجھے اپنے طریقے سے ہینڈل کرنے دیں۔'' معظم کا انداز قطعی تھا۔

''میری بات سنیں آپ دونوں' اس مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ نگی کو اس کی ماں کے حوالے کر دیں۔'' زیب النساء نے ان باپ بیٹے کے درمیان بولنا ضروری سمجھا تھا۔ بڑے متانت بھرے لہجے میں انہوں نے مشورہ دیا تھا۔

''امی ...... جان ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' معظم بلبلا اٹھا تھا۔

''تو اور کیا کہوں معظم بیٹا ...... نہ تو میں تمہیں کھو سکتی ہوں نہ اس یتیم بچی کو۔ کیا قصور تھا اس کا جو وہ ہمارا بھگتان بھگت رہی ہے۔'' زیب النساء تاسف سے گویا ہوئی تھیں۔

معظم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ایک تحیر سے ان کی سمت دیکھا تھا۔ واقعی اس وقت ضمیر نے ملامت کی تھی کہ شہر بانو کا کیا قصور ہے۔ وہ خواہ مخواہ ان دونوں کے درمیان پس رہی ہے۔

مکرم علی شاہ بھی بیوی کی بات سن کر چونکے تھے۔ شاید ان کے دل کو بھی لگی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔

''دیکھو معظم! شہر بانو بن ماں باپ کی بچی ہے' خدانخواستہ اس کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' زیب النساء اسے نصیحت کرتے ہوئے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''تو اس کا مطلب ہے میں نگی سے دستبردار ہو جاؤں۔'' معظم بڑی بے یقینی سے ان سے استفسار کر رہا تھا۔

''بیٹا! جب نگی نے سارے رشتے بھلا دیئے ہیں' وہ تمہیں قبول کرنے کو تیار نہیں تو تم باپ بیٹے اس کے پیچھے کیوں لگے ہو۔ آخر نکاح کے بعد بھی تو شہلا بیگم خلع کے لئے تیار بیٹھی ہیں۔ اس میں نگی کی مرضی شامل ہے۔ تو وہ اس حد تک آگے بڑھی ہیں۔ جاؤ ایک بار پھر نگی سے پوچھ لو شاید تمہارے لئے کوئی راستہ نکل آئے لیکن نہیں شہلا بیگم اس کے اندر اس قدر زہر بھر چکی ہیں کہ وہ ہمیں بھول گئی ہے۔'' زیب النساء بیٹے کو بغور دیکھتے مایوسی سے گویا ہوئی تھیں۔

''معظم! تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جب اپنی بھتیجی اپنا خون ہی بے وفائی پر اترا ہوا ہے تو ہم زبردستی نہیں کر سکتے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ شہر بانو اس کی قید میں ہے۔'' مکرم علی شاہ بھی بیوی کی بھرپور تائید کرتے سنجیدگی سے گویا ہوئے تھے۔

''تو آپ لوگ اس عورت سے ڈر گئے۔'' معظم نے دبے دبے غصے میں ماں باپ کو بیک وقت دیکھا تھا۔

''ڈرتے نہیں بس ہم سب کی بھلائی اسی میں ہے۔'' مکرم علی شاہ نے بیٹے کے انداز کو نظر انداز کرتے نرمی سے کہا تھا۔ اندر ہی اندر وہ کس صدمے سے گزر رہے تھے نہ وہ بیٹے کو بتا سکتے تھے نہ ہی بیوی کو۔

''ہونہہ بھلائی۔'' معظم جلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

پھر اسی کش مکش میں دوسرا دن طلوع ہو گیا۔ سید مکرم علی شاہ اور زیب النساء تو نگی کو بھجوانے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن معظم ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ اگر نگی اس کا ساتھ دیتی تو وہ ہر مشکل میں اتر جاتا۔ ابھی ابھی شہلا بیگم کا فون بھی آیا تھا وہ نگی کو بھجوانے کے بارے میں پوچھ رہی تھیں جواباً مکرم علی شاہ نے کچھ دیر کا وقت لیا تھا۔

اور اس آخری وقت میں معظم پھر ایک آس کے سہارے نگی کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ شاید کہ کایا پلٹ جائے ہاں کایا ضرور پلٹے گی اگر میں اس کی ضد مان لوں گا پل بھر میں معظم نے فیصلہ کیا تھا۔

نگی نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ دو دن سے وہ اس کمرے میں قید تھی کھانا وغیرہ ملازم کے ہاتھ بھجوایا جا رہا تھا۔ گھر کا کوئی فرد اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ ایزی چیئر پر جھول رہی تھی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''دیکھو نگی' تم مجھے بے حد عزیز ہو' تم ماڈلنگ کا پروفیشن نہیں چھوڑنا چاہتیں ٹھیک ہے مجھے تمہاری ضد منظور ہے۔ رہ گئے بابا جان تو انہیں میں منا لوں گا۔ اب تو تمہیں شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' سچی محبت سچی لگن بعض اوقات انسان کو کس قدر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ کوئی اس وقت معظم سے پوچھتا جو ماں باپ کو بے خبر رکھ کر اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر رہا تھا۔

نگی پہلے تو بری طرح چونکی پھر قہقہہ لگا کر ہنستی چلی گئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ پہلے سے ہی اس صورت حال سے آگاہ تھی۔

معظم نے جواباً نگی کی ہنسی کو بڑی الجھن سے دیکھا تھا۔

''سید معظم علی شاہ' میری دولت میری پراپرٹی کی خاطر تم لوگ اپنے مرتبے سے اس حد تک نیچے آ جاؤ گے مجھے تو بالکل یقین نہیں تھا لیکن میری ممی نے مجھے پہلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ کہاں گئی تمہاری نام نہاد عزت' تمہارا وقار جو میرے ماڈلنگ کرنے سے خراب ہو رہا تھا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''نگی ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو ......'' معظم کو ایک جھٹکا لگا تھا۔

''معظم علی شاہ! مجھے آپ کی آفر قبول نہیں ہے۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔ اب جبکہ مجھے تمہاری ضد قبول ہے پھر بھی تم شادی سے انکار کر رہی ہو' تمہاری یہ کیسی محبت ہے نگی۔'' معظم بڑی بے بسی سے گویا ہوا تھا۔

''معذرت کے ساتھ کہوں گی' معظم علی شاہ مجھے تم سے کبھی بھی محبت نہیں ہوئی ہے۔ ہاں ساتھ رہنے سے اس رشتے کو انسیت کا نام دے سکتی ہوں۔'' نگی کا انداز نخوت بھرا اور انتہائی طنزیہ تھا۔

دھڑ ...... دھڑ ...... دھڑ ...... معظم کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کمرے کی چھت آ گری ہو۔ وہ اونچا پورا مرد اس لڑکی کو سکتے کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا یہ تھی اس کی محبت جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا کیا نام دے رہی تھی آج وہ اس کی محبت کو صرف ''انسیت''

''کیا واقعی تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟'' معظم نے خود کو سنبھالتے بمشکل استفسار کیا تھا۔

''نہیں' اور اگر تم لوگ میرے ساتھ زبردستی کرو گے تو میں نکاح کے بعد خلع لے لوں گی بہتر یہی ہے کہ مجھے میری ممی کے پاس جانے دو۔ شہر بانو ادھر پہنچ جائے گی اور ہاں میری پراپرٹی کے کاغذات مجھے ضرور دے دینا ورنہ اس کے لئے مجھے کورٹ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ خواہ مخواہ پھر تم لوگوں کی عزت خراب ہو گی۔'' نگی اجنبیت سے بھرپور کٹھور پن کی انتہا پر کھڑی تھی۔

معظم کے پاس جیسے کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں تھا۔ دھواں دھواں ہوتے چہرے سمیت وہ یکلخت پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اس نے ماں باپ کو بھی نہیں بتایا کہ اس پر کیا گزری ہے۔

اور پھر نگی اپنی جائیداد کے کاغذات لے کر ہمیشہ کے لئے اس گھر کی دہلیز پار کر گئی' جاتے سمے گھر کا کوئی فرد اس کے سامنے نہیں آیا تھا بلکہ گھر کے ملازم نے اس کو کاغذات کی فائل تھمائی تھی۔ نگی کے جاتے ہی شہلا بیگم کا ڈرائیور شہر بانو کو بھی چھوڑ گیا تھا لیکن شہر بانو کی حالت تو بے حد خراب ہو رہی تھی۔ خوف و دہشت نے اس کا دو دن میں ہی خون نچوڑ دیا تھا۔

وہ زیب النساء کے گلے لگ کر بڑی شدت سے رونے لگی تھی۔

''شہر بانو! بیٹی ہمیں معاف کر دینا۔ یہ عذاب تم پر ہماری وجہ سے مسلط ہوا تھا۔'' مکرم علی شاہ نے نادم ہوتے ہوئے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ بڑے دل برداشتہ سے نظر آ رہے تھے۔ جب کہ معظم اس کی آمد کا سن کر ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ ایک تو وہ ابھی تک نگی کے صدمے سے باہر نہیں نکلا تھا اور اوپر سے وہ اس وقت شہر بانو کا بھی مارے شرمندگی کے سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

ادھر مکرم علی شاہ شہر بانو کو تو تسلی دے گئے لیکن دو دن سے وہ نگی کی وجہ سے جس اذیت اور ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے وہ اپنا رنگ دکھا گئی پہلے تو صرف انہیں انجائنا

کی تکلیف ہوئی تھی لیکن اسی شام انہیں ہارٹ اٹیک ہوگیا۔انہیں فوراً ہاسپٹلائز کرنا پڑا۔ان سب کو نگی کا غم تو بھول گیا فی الحال تو وہ مکرم علی شاہ کی فکر میں لگ گئے پھر انہیں صحت یاب ہونے میں تقریباً ایک ماہ لگ گیا تھا۔ڈاکٹرز نے انہیں کچھ دن اور ریسٹ کے لئے کہا تھا وہ ڈسچارج ہو کر گھر تو آ گئے تھے لیکن اب وہ معظم کے پاس نہیں ٹھہرے بلکہ اپنے آبائی گھر نواب شاہ آ گئے تھے۔زیب النساء اور شہر بانو بھی ان کے ساتھ آ گئی تھیں بلکہ معظم خود ان لوگوں کو چھوڑنے آیا تھا۔ایک دن ٹھہرنے کے بعد وہ واپس اپنی جاب پر آ گیا تھا۔نگی کا غم تو اب اس کی رگوں میں خون کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔لیکن وہ غم کی تصویر نہیں بن سکتا تھا کیونکہ یہ اس کی مردانگی کو زیب نہیں دیتا تھا۔

○○○

ٹی وی چینل سرچنگ کرتے جہانگیر احمد بڑے ریلیکس انداز میں نرم دبیز صوفے میں تقریباً دھنسے ہوئے تھے۔آج سے پہلے وہ گھر میں بہت کم نظر آتے تھے لیکن جس دن سے نگی اس گھر میں مستقل آئی تھی ان کی روٹین کچھ ایسی ہی ہو گئی تھی۔وقت بے وقت گھر پر نظر آنا' معاً لاؤنج کے دروازے سے وہ دونوں ماں بیٹی اندر داخل ہوتی نظر آئی تھیں۔

''ہیلو پرنس ......'' جہانگیر احمد نے نگی کو اسی نام سے پکارا جو انہوں نے اسے پہلے دن دیا تھا۔

اس وقت وہ جینز پر انتہائی مختصر سی سلیولیس شرٹ میں ملبوس تھی۔شلوار قمیص اور دوپٹے والا لباس وہ بھول چکی تھی شہلا بیگم نے اسے بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔جہانگیر احمد نے اس کے سراپے کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

''ہائے انکل ......'' وہ بھی بڑے خوشگوار موڈ میں تھی انہیں جواب دیتی چیئر پر براجمان ہو گئی تھی۔

''یہ تم آج کیسے گھر میں جلدی نظر آ رہے ہو؟'' شہلا بیگم نے ان کے ساتھ نشست سنبھالتے ہوئے کچھ حیرت سے استفسار کیا تھا۔شاید انہوں نے نوٹس ہی آج لیا تھا۔

''ڈیئر ......ہم تو اب اکثر گھر میں نظر آتے ہیں۔آپ ہی کی نظر ویک ہو گئی ہے۔'' چینل سرچنگ کرتے ریموٹ کسی ایک چینل پر رک گیا تھا۔ان کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''نگی جاؤ' تم لنچ کے بعد تھوڑا ریسٹ کر لو۔شام کو ہمیں مسز رضا کے ہاں پارٹی میں جانا ہے۔شہلا بیگم نے ان کی بات کو نظر انداز کرتے اسے یاددہانی کروائی تھی۔

''لو بھئی پرنس تمہارے بابا جان بڑے دنوں بعد اسمبلی کے اجلاس میں نظر آ رہے ہیں۔'' معاً جہانگیر احمد نے نگی کو مخاطب کرتے اس کی توجہ ٹی وی اسکرین کی سمت مبذول کروائی تھی۔

نگی نے فوراً ٹی وی اسکرین کی سمت نگاہ اٹھائی تھی۔وہاں خبرنامے کے درمیان مکرم علی شاہ دیگر لوگوں کے ساتھ نظر آ رہے تھے۔نگی کو وہ پہلے سے بے حد کمزور نظر آ رہے تھے' جانے کیوں اس کے دل کو لمحہ بھر کے لئے کسی احساس نے گھیرا تھا لیکن یکلخت ہی سر جھٹک کر اس نے اس احساس کو زائل کیا تھا۔ماں کی محبت ہر احساس پر حاوی ہو چکی تھی۔

''نگی کا اب ان لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔کیوں دکھا رہے ہو تم اسے یہ سب' بڈھے نے اپنی بیماری کا ڈرامہ کر کے دکھا تو دیا ہے کہ میری یہ حالت نگی کے غم میں ہوئی ہے۔'' شہلا بیگم پچھلے دنوں مکرم علی شاہ کی بیماری کا مختلف اخبارات میں پڑھ چکی تھی اور کچھ انہیں جہانگیر احمد سے بھی خبریں ملتی رہتی تھیں۔اسی وجہ سے اب وہ ان پر خفا ہونے لگیں۔

''مجھ پر کیوں چڑھائی کر رہی ہو آخر بیٹی تو نگی اسی خاندان کی کہلائے گی۔'' جہانگیر احمد نے طنز کرتے گویا مزہ لیا تھا۔

''ممی! میں ذرا فریش ہونے جا رہی ہوں۔آپ کھانا لگوائیں۔'' یکلخت نگی ان دونوں کے بیچ مداخلت کرتی وہاں سے اٹھ گئی تھی اسے اپنے متعلق ہوتی اس بحث سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''نگی کا حوالہ اب ہم دونوں ہیں۔'' کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد شہلا بیگم سنجیدگی سے گویا ہوئی تھیں۔

''ٹھیک ہے......میں اس سے انکار نہیں کرتا لیکن اس کی ولدیت کے خانے میں ہمیشہ سید اکبر علی شاہ کا ہی نام آئے گا۔'' نارمل لہجے میں کہتے ہوئے جہانگیر احمد کی عادی پینے والی سرخ آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک لہرائی تھی۔

شہلا بیگم لاجواب ہو چکی تھیں لیکن جہانگیر احمد کی بات انہیں بے حد بری لگی تھی۔جس کا وہ اظہار کرنے سے مجبور تھیں۔

''نگی والے حادثے کو گزرے ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن اچانک زرینہ بیگم یعنی شہر بانو کی ساس نے زیب النساء کو فون کر کے حماد علی شاہ اور شہر بانو کی منگنی توڑتے ہوئے معذرت کی تھی کیونکہ حماد علی شاہ کی کراچی میں نگی سے ملاقات ہوئی تھی اور ویسے بھی جو کام وہ آج کل کر رہی تھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔حماد علی شاہ کو اس نے بڑے مزے سے اپنا اور شہر بانو کا قصہ سنایا تھا جواباً حماد علی شاہ نے اپنے والدین سے صاف کہہ دیا کہ وہ ایک اغواء شدہ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔فون بند ہو جانے کے بعد زیب النساء کتنی دیر صدمے کی حالت میں بیٹھی رہیں (نگی تم خود تو برباد ہوئی ہو لیکن اس یتیم بچی کو برباد کر کے تم نے کچھ اچھا نہیں کیا) شہر بانو نے اس خبر پر صرف خاموشی سے آنسو بہائے تھے اس کی پاکیزہ زندگی پر ایک داغ لگ گیا تھا اس احساس نے اسے مار ڈالا تھا۔

سید مکرم علی شاہ کے لئے یہ دوسرا اہم صدمہ تھا لیکن انہوں نے خود کو سنبھال لیا پھر بیوی سے ایک اہم مشورہ کر کے معظم کو ارجنٹ کال پر گھر بلایا گیا تھا۔وہ دوسرے دن ہی گھر پہنچ گیا۔زیب النساء نے اسے شہر بانو کی منگنی ٹوٹنے کی خبر سنائی تو اسے بے حد دکھ ہوا لیکن اس سے بھی زیادہ دکھ اس بات پر ہوا کہ اس رشتے کو ختم کرانے میں نگی کا اہم کردار ہے۔وہ زیب النساء کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب مکرم علی شاہ نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا گو کہ وہ ان سے مل چکا تھا لیکن اس وقت کیا بلاوا تھا یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''جی بابا جان ......آپ نے بلایا تھا۔'' معظم ان کے بیڈروم میں داخل ہوتا ہوا بولا تھا۔

''آؤ......بیٹے بیٹھو......'' مکرم علی شاہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔بیٹے کی آواز پر چونک کر اسے اپنے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''معظم بیٹا! ہم نے اور تمہاری ماں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔اور ہمیں امید ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ہم چاہتے ہیں اب تمہاری شادی شہر بانو سے کر دی جائے۔'' مکرم علی شاہ نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

''یہ......یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جان۔'' معظم تو کرسی سے ایسے اچھلا جیسے اس نے برقی تاروں کو چھو لیا ہو وہ بڑی تحیر سے ان کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے کچھ ایسی غلط بات بھی نہیں کی ہے آخر ہمیں تمہاری شادی بھی تو کرنا ہے۔'' مکرم علی شاہ نے جوان بیٹے کی الجھن کو غور سے دیکھا تھا۔

''بابا جان......شہر بانو کے لئے میں......میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتا ہوں۔'' غصہ جھلاہٹ اس کے دماغ پر سوار ہو چکا تھا۔

''کیوں؟'' مکرم علی شاہ سنجیدہ اور حیران نظر آ رہے تھے۔

''بابا جان آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔'' معظم بلبلا اٹھا تھا۔

''اور جو زیادتی ہماری وجہ سے شہر بانو کے ساتھ ہوئی ہے اسے تم کیا کہو گے؟'' وہ گویا جرح پر اتر آئے تھے۔

''تو......بابا جان اس زیادتی کا ازالہ آپ میری صورت میں تو نہ کریں۔آپ کہیں بھی اس کا رشتہ طے کر سکتے ہیں۔'' بظاہر وہ ان کے سامنے مودب نظر آ رہا تھا لیکن اندر ہی اندر تپ رہا تھا۔

''دیکھو معظم' مجھے سب نظر آ رہا ہے' اپنے خاندان میں تو اب اس کا رشتہ کہیں طے نہیں ہو سکتا کیونکہ حماد کے گھر والوں نے بات اپنے تک محدود نہیں رکھی بلکہ پورے خاندان میں پھیلا دی ہے رہ گئے باہر کے لوگ تو وہاں بھی رشتے طے ہونے کے یا شادی کے بعد شہر بانو کے اغواء کی بات پھیل سکتی ہے۔میں کسی سے نہیں ڈرتا بس خوف ہے تو صرف خدا کی ذات کا کہیں اس بچی کی بہتری کرتے کرتے اسے کسی مشکل میں نہ پھنسا دیں۔'' انہوں نے معظم کو نصیحت بھرا لیکچر دیا تھا۔

''بابا جان......بابا جان......'' معظم جز بز ہوتا خاموش ہو گیا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے بال نوچ لے۔

''ہم فیصلہ کر چکے ہیں معظم' اور پھر شہر بانو کی بھی ہم رضامندی لے چکے ہیں' بس اسی ہفتے تم دونوں کی شادی ہے۔'' ان کا لہجہ سنجیدہ اور مضبوط تھا۔

''لیکن......بابا جان میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔میرا بھی یہ آخری فیصلہ ہے۔'' معظم کے مودب لہجے میں گستاخی اتر آئی تھی وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے ایسی نافرمان اولاد کی ہمیں ضرورت نہیں۔آج کے بعد تم ہمیں اپنی شکل مت دکھانا۔'' اس کی ڈھٹائی پر مکرم علی شاہ بھی غصہ میں بھڑک اٹھے تھے۔انہوں نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا تھا۔

معظم بھی بڑے غصے میں ان کے بیڈروم سے باہر نکلا تھا۔وہ سیدھا لاؤنج میں آیا تھا جہاں زیب النساء اس وقت تنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔بیٹے کے تیور دیکھ کر وہ بھانپ چکی تھیں کہ اندر باپ بیٹے میں کون سی گفتگو ہوئی ہے۔

''امی جان! یہ آپ لوگ میرے ساتھ کیسا ظلم کر رہے ہیں'' معظم ان کے سامنے تن فن کرتا آ کھڑا ہوا تھا۔

''اس میں برائی کیا ہے۔'' انہوں نے معظم کے انداز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''ہاں......برائی کیا ہے۔یہ بھی آپ نے خوب کہا۔ایک اغواء شدہ لڑکی کو جب کوئی قبول نہیں کر رہا تو آپ لوگ اسے میرے سر منڈھ رہے ہیں۔'' اس کا ضبط جواب دے گیا تھا وہ گویا چیخ اٹھا تھا۔

''آہستہ بولو معظم......تم اس لڑکی کی پاکیزگی پر شک کر رہے ہو جس کی پرورش میرے ہاتھوں ہوئی ہے۔وہ اپنی عزت پر آنچ آنے سے پہلے اپنی جان دے سکتی ہے۔وہ اغواء بھی ہماری وجہ سے ہوئی تھی۔آئندہ کبھی بھول کر بھی یہ بات اپنی زبان پر نہیں لانا۔'' زیب النساء نے سختی سے کہتے ہوئے اسے بری طرح ڈانٹا تھا۔

''سوری۔'' وہ جذبات کی رو میں بہہ کر بہت غلط بات کہہ گیا تھا۔اس نے فوراً نادم ہوتے ہوئے کہا تھا۔

زیب النساء نے بیٹے کی سوری پر بھی اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''امی جان میرا یقین کریں' اب میرے دل میں کسی عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے۔مجھے شادی نہیں کرنی۔'' معظم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

''اس ظالم لڑکی کی خاطر جوگ لے رہے ہو جسے تمہاری ذرا بھی پروا نہیں تھی' کس قدر میڈیا پر چھائی ہوئی ہے' ٹی وی دیکھنے کو جی نہیں چاہتا ہے' ہر جگہ وہ نظر آ رہی ہے۔'' زیب النساء متاسفانہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

''میں کسی کی خاطر جوگ نہیں لے رہا۔بس عورت ذات سے دل بھر گیا ہے' ان سے نظریں چراتے معظم کے چہرے پر بڑا واضح اضطراب نظر آ رہا تھا۔

''ہاں بیٹے' خود کو تو سزا دے رہے ہو لیکن بوڑھے ماں باپ نے کون سا جرم کیا ہے' انہیں کس بات کی سزا دے رہے ہو معظم تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو۔ہمیں تمہاری اولاد کی بڑی چاہ ہے' تم ہی سے اس خاندان کا نام چلنا ہے اس خاندان کو بیٹے بے نشان مت چھوڑو۔'' زیب النساء گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے یکلخت ہی

رونے لگی تھیں۔

''ہائیں۔'' معظم تو ان کے آنسو دیکھ کر بری طرح شرمندہ ہوا تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

وہ شام کا نکلا رات گئے گھر میں داخل ہوا تھا۔ ڈھیروں سوچیں دماغ پر حاوی تھیں۔ اپنے کمرے میں جاتے جاتے وہ رک گیا تھا' کیونکہ شہر بانو کے کمرے کی لائٹ بھی جل رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر اس کے کمرے کی طرف آ گیا اور ہلکی سی دستک دی تھی۔

چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ اپنے سامنے کھڑے معظم کو دیکھ کر شہر بانو بری طرح گھبرائی تھی۔ کیونکہ دوپہر سے تو وہ اس سے چھپ رہی تھی۔

''مجھے..... تم سے کچھ بات کرنا ہے شہر بانو۔ اندر آ سکتا ہوں۔'' بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے معظم نے مرجھائی اور پژمردہ سی جھکی پلکوں والی شہر بانو کو بغور دیکھا تھا۔

وہ جو بات کرنے آیا تھا شہر بانو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے سائیڈ میں ہوتے کچھ جھجک کر معظم کے لئے دروازہ وا کر دیا تھا۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو یہ ہماری شادی کا پروگرام بن گیا ہے اس میں تم کس حد تک راضی ہو۔'' معظم بڑی سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''شاہ جی..... جس طرح آپ اس شادی پر خوش نہیں ہیں' میں بھی خوش نہیں ہوں۔'' شہر بانو نے جھکی پلکوں سمیت اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے معظم کو دھیرے سے جواب دیا تھا۔ آج وہ بن دیکھے محسوس کر چکی تھی کہ اس کے مقابل ایک نیا معظم کھڑا ہے جس سے وہ پہلے والی شہر بانو بن کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ اور پھر شام میں وہ کچن میں کھڑی تھی جب وہ اپنی ماں سے بات کرتا اسے ''اغواء شدہ'' لڑکی کہہ رہا تھا اور اس کی یہ بات شہر بانو کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہو گئی تھی۔

''یہ میرے ساتھ ڈپلومیسی مت کرو۔ سیدھا جواب دو۔'' معظم کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا وہ گویا چڑ گیا تھا۔

شاہ جی..... آپ کبھی ایک دیوانی کا خواب تھے لیکن جب سے وہ دیوانی حماد علی شاہ کے ساتھ منسوب ہوئی تھی اس نے پوری ایمانداری سے حماد کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے لیکن وائے قسمت..... یہ کس منزل پر لا کھڑا کیا تھا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں شہر بانو.....'' اس کی خاموشی پر معظم جھلا اٹھا تھا۔

''شاہ جی..... میں نے بابا جان اور امی جان کو انکار کیا تھا لیکن وہ نہیں مانے اور مجھے مجبوراً ہاں کرنی پڑی۔''

اور یہ حقیقت تھی اس نے مکرم علی شاہ اور زیب النساء کو صاف انکار کیا تھا۔ ''اب آپ کی مشکل اسی طرح آسان ہو سکتی ہے کہ آپ مجھے کسی دارالامان میں چھوڑ آئیں۔'' شہر بانو نے یاسیت بھرے انداز میں کہتے ہوئے جھکی پلکیں اس کی سمت اٹھائی تھیں۔ اس کی خوبصورت آنکھیں یکلخت ہی پانیوں سے بھری نظر آئی تھیں۔

''الٰہی کہاں پھنسا دیا مجھے۔'' اس کے جواب نے معظم کو اور جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ اس نے ایک غصہ سے بھرپور نگاہ شہر بانو پر ڈالی اور اس کے بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا۔

مکرم علی شاہ نے بیٹے کے انکار پر ایک بار پھر بستر سنبھال لیا تھا۔ اور یہی بات معظم کے لئے فکر کا باعث بنی تھی لیکن شادی کے لئے اس نے ابھی تک حامی نہیں بھری تھی۔ مکرم علی شاہ نے ناراضگی کے طور پر بیٹے سے بات چیت بند کر دی تھی۔ معظم چار دن کی چھٹی پر آیا ہوا تھا اس کی تیسری چھٹی پر مکرم علی شاہ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ وجہ بیٹے کی ہٹ دھرمی تھی۔ زیب النساء تو باقاعدہ رونے لگی تھیں۔ وہ بیٹے کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

''معظم! انہوں نے بھتیجی کا غم تو سہہ لیا ہے لیکن اپنی اولاد کی طرف سے ملنے والا غم وہ نہیں سہہ پائیں گے۔'' وہ بیٹے کے سامنے بھی رونے لگی تھیں۔

معظم نے چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ ماں کی بات نے اسے اندر سے جھنجھوڑ دیا تھا۔ خدانخواستہ اگر بابا جان کو میری وجہ سے کچھ ہو گیا تو.....'' اس سے آگے اس کی سوچ کی حد ختم ہو گئی تھی خود کو لعنت ملامت کرتے وہ سر جھکاتے ہوئے ''ہاں'' کہہ گیا تھا۔

''کک..... کیا سچ کہہ رہے ہو معظم؟'' وہ تو مارے خوشی کے جی اٹھی تھیں۔

''جی امی جان۔'' زبردستی ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے فی الحال تو اس کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔

زیب النساء اسے مکرم علی شاہ کے بیڈ روم میں لے آئی تھیں اور وہ تو یہ خوشی کی خبر سنتے ہی بیڈ سے اٹھ بیٹھے تھے۔ معظم کے دکھ سے وہ واقف تھے لیکن اس کی سعادت مندی پر انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

اس کی رضامندی پاتے ہی مکرم علی شاہ نے فوراً ان دونوں کا نکاح سادگی سے کر دیا۔ نکاح میں صرف ان کی بڑی بہن شاہدہ بیگم کی فیملی تھی۔ نکاح کے بعد معظم اسی شام واپس کراچی چلا گیا تھا اور پندرہ دن بعد ولیمہ کی تقریب رکھی گئی تھی اور انہی پندرہ دنوں میں شادی کی تیاری بھی کرنی تھی اور اس تیاری میں شاہدہ بیگم اور ان کی تینوں بہوؤں نے زیب النساء کی ہر طرح سے مدد کی تھی۔ شہر بانو کو کہ سب کے سامنے نارمل دکھائی دے رہی تھی لیکن اندر ہی اندر سے وہ خوف زدہ سی تھی آنے والے وقت سے۔ پھر آخر شادی کا دن بھی آ گیا۔ معظم ایک دن پہلے گھر پہنچا تھا مکرم علی شاہ کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ انہوں نے اس تقریب کو ایسا یادگار بنایا تھا کہ لوگ ہمیشہ یاد رکھتے پھر ان دونوں کی جوڑی بھی ایسی سج رہی تھی کہ ہر دیکھنے والی آنکھ ان پر رشک کر رہی تھی۔ تقریب کے اختتام پر وہ لوگ میرج ہال سے گھر پہنچ گئے تھے۔ بہت سی رسموں کے بعد شہر بانو کو معظم کی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا تھا۔

سیما اور فرح (شاہدہ بیگم کی بہوئیں) اسے ڈھیروں تسلیاں دے کر گئی تھیں لیکن وہ بے حد نروس ہو رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد معظم اندر داخل ہوا تھا۔ شہر بانو کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں لیکن اس کی جھکی پلکیں اوپر نہیں اٹھی تھیں اور دل تھا کہ بدن کی عمارت میں بری طرح دھک دھک کرنے لگا تھا۔

معظم نے اس پر توجہ دیئے بغیر صوفے پر ٹک کر پہلے اپنے سوکس اور شوز اتارے پھر اٹھ کر لیدر کے سلیپر ریک سے نکالے اور پیروں میں پہن کر وارڈ روب کی سمت بڑھ گیا۔ پٹ کھولتے معاً کچھ یاد آنے پر اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔

وہ جب اپنے بیڈ روم کی سمت آ رہا تھا تو زیب النساء نے اسے راستے میں روک کر شہر بانو کی رونمائی کے لئے کنگن دیئے تھے وہ جانتی تھیں کہ بیٹے نے اس کے لئے کچھ نہیں خریدا ہو گا۔ اور معظم نے بھی وہ کنگن ماں کے ہاتھ سے خاموشی سے لے لئے تھے۔

''یہ..... لیجئے محترمہ' آپ کی رونمائی۔'' اس نے کوٹ کی جیب سے ایک گرے کیس نکال کر دور سے ہی اس کی طرف اچھالا تھا۔ کیس سیدھا اس کی گود میں جا کر گرا تھا۔ اور وہ وارڈ روب سے اپنا نائٹ سوٹ نکال کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔

شہر بانو اس کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھی لیکن معظم کا یہ انداز..... وہ کوئی بھکارن تو نہیں تھی۔ اس کی بوجھل آنکھیں پانیوں سے بھرنے کو تیار تھیں لیکن بمشکل خود پر کنٹرول کرتے اس نے لرزتے ہاتھوں سے گود میں پڑا کیس کھولا تو دل جیسے دھک سے رہ گیا یہ کنگن وہ بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ یہ زیب النساء کے کنگن تھے جو ایک بار انہوں نے اسے دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نگی کو منہ دکھائی میں اپنی طرف سے دیں گی۔

''تو سید معظم علی شاہ یہ رونمائی کا تحفہ امی جان نے آپ کو تھمایا ہے۔ اس نے بے دلی سے کیس بند کر کے ذرا سا پلٹ کر بیڈ سائیڈ دراز میں ڈال دیا تھا اور کپڑے چینج کرنے کے لئے بیڈ سے اتر آئی تھی۔ بھاری لباس اور زیورات اسے تنگ کر رہے تھے۔ وہ قدم اٹھاتی ڈریسنگ کے آئینہ کی سمت پلٹی تھی کہ معاً باتھ روم کا دروازہ کھلا اور معظم نائٹ سوٹ میں باہر نکل آیا۔ وہ شہر بانو کو نظر انداز کرتا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

شہر بانو اپنے زیورات اتارنا بھول چکی تھی۔ وہ بڑی حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے تو وہ اسے دیکھتی رہی پھر دبیز کارپٹ پر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ کر دوزانو بیٹھ گئی' چوڑیوں کی کھنک پر معظم نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ اس کا حسن بے مثال پاگل کر دینے والا تھا۔ وہ لڑکی جسے اس نے ہمیشہ سادگی میں دیکھا تھا آج وہ براؤن اور گولڈن بھاری کام کے شرارہ سوٹ میں کس قدر حسین لگ رہی تھی کوئی بھی ذی ہوش شخص اس سے منہ نہیں موڑ سکتا تھا لیکن سامنے بیٹھا شخص معظم علی شاہ تھا' جس کے ذہن میں اس وقت بھی نگی سوار تھی۔ اسے شہر بانو کے حسن سے کیا لینا تھا۔

''شاہ جی! میں آپ کا دکھ سمجھتی ہوں۔'' شہر بانو ساری شرم و حیا بالائے طاق رکھ کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''اگر مم..... میرا دکھ سمجھتی تو آج..... تم نگی کی جگہ نہ سنبھال کر بیٹھی ہوتیں۔'' معظم نے بغیر کسی لحاظ کے اسے پتھر کھینچ مارا تھا۔

''جی.....'' وہ پتھر شہر بانو کے دل پر لگا تھا وہ کراہ بھی نہ سکی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں شہر بانو' اگر تم ہماری فیملی کا حصہ نہ ہوتیں تو حالات چاہے کیسے بھی ہوتے نگی کو میں اپنی زندگی میں شامل کر لیتا' لیکن ساری خرابی ہی تمہاری وجہ سے ہوئی' نہ تم ہمارے بیچ آتیں اور نہ نگی میری زندگی سے جاتی۔'' معظم کا لہجہ بے حد سفاک تھا۔

''شاہ جی!'' تحیر بھرے انداز میں اس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ قصوروار اسے ٹھہرا رہا تھا۔

''اصل میں شہر بانو! میرے والدین کو نیکیاں کرنے کا بہت شوق ہے تمہیں میرے سر منڈھ کر انہوں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی نیکی کی ہے اپنی آخرت تو سنوار لی لیکن مجھے ساری عمر کے لئے جہنم رسید کر دیا ہے اور اف بھی نہ کروں یعنی جس لڑکی کو میرا دل بیوی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے اسے بیوی سمجھوں' اوپر سے حکم ملا ہے کہ اسے بیوی کا حق بھی دوں ہے ناں میری زندگی کے ساتھ مذاق۔'' وہ زہر خند ہوتا اپنے دل کا ابال نکال رہا تھا۔

شہر بانو کوئی مٹی کی مورت نہیں تھی جو اس پر کچھ اثر نہ ہوتا خود پر ضبط کرتی وہ اس کے سامنے سے اٹھ گئی تھی۔

معظم کے سامنے تو اس نے ضبط کے پہرے بٹھائے ہوئے تھے لیکن باتھ روم میں منہ دھوتے ہوئے پانی کے ساتھ اس نے ڈھیروں آنسو بہائے تھے۔ اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد وہ پندرہ منٹ بعد باتھ روم سے باہر نکلی تھی اب بیڈ روم کا ماحول یکسر بدلا ہوا تھا۔ فینسی لائٹس بند تھیں' نائٹ بلب جل رہا تھا اور معظم آنکھوں پر ایک بازو رکھے بیڈ پر دراز تھا۔ شہر بانو بیڈ کے قریب آ کر ٹھہر گئی تھی۔ جس طرح کی اس نے شہر بانو کی عزت افزائی کی تھی اسے دیکھتے ہوئے تو وہ بیڈ پر سونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کچھ سوچ کر شہر بانو اپنا تکیہ بیڈ سے اٹھانے کے لئے ذرا سا جھکی تھی تکیہ بھی معظم کے تیئے سے ملا ہوا تھا۔

''اب یہ کیا ڈرامہ کرنے لگی ہو۔'' معظم نے آنکھوں سے بازو ہٹاتے فوراً اس کی طلائی چوڑیوں والی کلائی اپنی مضبوط گرفت میں لیتے بغور اس کی سمت دیکھا۔ کاٹن کے گلابی سادہ سے سوٹ میں وہ معظم کی حرکت پر بے حد نروس دکھائی دے رہی تھی۔

''سنا نہیں' میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' معظم کا انداز خشک تھا' اس کی نگاہیں ہنوز شہر بانو کے سادہ سے روپ پر تھیں۔

''آ..... پ میری وجہ سے ڈسٹرب ہوں گے میں ادھر صوفے پر سو جاؤں گی۔'' اس کا لہجہ لرز رہا تھا۔ اس نے معظم کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی سعی کی تھی۔ اسے کسی مرد نے پہلی بار چھوا تھا اس کی تو رگوں میں دوڑتا لہو منجمد ہونے لگا تھا۔

''ایک بات بتاؤں تمہیں میرے دل میں اب عورت کی تمنا نہیں ہے لیکن جہاں نکاح کی فارمیلٹی پوری ہوئی ہے وہاں ایک فارمیلٹی یہ بھی پوری ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا اور پھر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ صبح اٹھ کر تم میرے ظلم کی کہانی گھر والوں کو سناؤ میری قربانی اگ رائیگاں جائے گی اور اپنے والدین کی نظروں میں خواہ مخواہ مجرم ٹھہرایا جاؤں گا جو کہ میں نہیں چاہتا۔'' معظم نے اپنے لفظوں کی تیز دھار کا خنجر شہر بانو کے سینے میں اتار دیا تھا۔

''فارمیلیٹی۔'' زیرلب بڑبڑاتے ہوئے شہر بانو کا دکھ اور صدمے سے برا حال تھا۔ اس کی ذات کی اتنی اہانت ایسی توہین جی چاہ رہا تھا کہ زمین شق ہو اور وہ اس میں سما جائے۔ یکلخت ہی وہ کسی درخت کی ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔

یہ تھی اس کی شب زفاف وہ کروٹ کے بل سونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بیڈ کے دوسرے کونے سے لگی شہر بانو کی ہچکیاں اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

''شہر بانو! پلیز مجھے سونے دو۔ بہت دنوں سے میں سکون کی نیند نہیں سویا ہوں۔'' معظم نے کروٹ بدلے بغیر کھردرے لہجے میں اسے پکارا تھا۔

جواباً..... شہر بانو کی سسکیاں اور زیادہ تیز ہوگئی تھیں۔

''چپ ہوتی ہو یا اٹھ کر تمہارا گلا دباؤں۔'' اس کی سمت کروٹ بدلتے وہ تپ اٹھا تھا۔

''تو کردیں یہ احسان آپ کی جان بھی چھوٹ جائے گی۔'' اس کی سمت پشت کئے آنسو بہاتے اسے بھی شدید غصہ آیا تھا۔

''اب تمہاری آواز آئی تو واقعی یہ احسان کردوں گا۔'' معظم پھنکارتا ہوا کروٹ بدل کر ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا اور تھوڑی دیر بعد اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی لیکن شہر بانو نے ساری رات بے آواز آنسو بہاتے گزاری تھی۔

○○○

وہ اپنے کام کے سلسلے میں دوماہ سے شہلا بیگم کے ساتھ دوبئی میں تھی۔ کل رات ہی ان دونوں ماں بیٹی کی واپسی ہوئی تھی۔ آج کل نگی ٹی وی ڈراموں میں بھی کام کر رہی تھی یہ اس کے عروج کا وقت تھا۔ وہ تو خوش تھی لیکن اس کی کامیابی پر شہلا بیگم اس سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ تقریباً دوپہر کے وقت سو کر اٹھی تھی۔ ناشتہ کر کے وہ شہلا بیگم کے بیڈروم میں آ گئی۔ جہاں وہ بیڈ پر پچھلے دوماہ کے اخبارات اور رسائل پھیلائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اپنے آفس سے آج بھی انہوں نے چھٹی کی تھی۔

''آؤ..... نگی ڈیئر۔'' انہوں نے اخبار سے نظریں اٹھاتے مسکرا کر اسے اپنے قریب ہی بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک بڑی مہین سی نائٹی میں ملبوس تھیں۔

''یہ کیا ممی، بیڈ پر بکھرے ہوئے اس کی نظریں بے ساختہ بیڈ سائیڈ میز پر پڑی بوتلوں اور بلورین گلاس پر پڑی تو وہ جیسے چونک اٹھی۔ وہ نادان نہیں تھی۔ یہ کون سا مشروب تھا وہ سمجھ گئی تھی۔

''یہ..... کون پیتا ہے ممی؟'' وہ اپنی زبان پر آنے والے سوال کو روک نہ سکی تھی۔

''ڈیئر..... یہ جہانگیر کے شوق ہیں۔'' شہلا نے نارمل سے انداز میں ہنس کر جواب دیا تھا۔

''انکل..... یہ بھی پیتے ہیں۔'' نگی کو حیرت ہوئی تھی۔

''نگی..... ہائی سوسائٹی میں رہنے والے مرد ایسے شوق رکھتے ہیں۔ تم چھوڑو ان باتوں کو یہ دیکھو میں تمہیں ایک چیز دکھاتی ہوں۔'' شہلا بیگم نے اس کی توجہ وہاں سے ہٹا کر بیڈ پڑے اخبارات سے ہٹ کر ایک رول کئے اخبار کا رنگین صفحہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ یہ ڈیڑھ ماہ پرانا اخبار تھا۔ اخبار کے صفحے پر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ معظم اور شہر بانو کے ولیمے کی تقریب کی تصویریں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ فیملی گروپ کی بھی کئی تصویریں تھیں، یعنی پورا صفحہ ہی ان لوگوں کی تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ نیچے تقریب کی تمام روداد لکھی ہوئی تھی۔

نگی اخبار میں موجود ان تصویروں کو بار بار دیکھتی ہوئی حیرت در حیرت میں تھی۔ ان دونوں کی جوڑی کس قدر شان دار لگ رہی تھی۔

''ممی! مجھے یقین نہیں آ رہا..... معظم نے شہر بانو سے کیسے شادی کرلی۔ وہ..... وہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا۔'' نہ جانے کیوں نگی کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی۔

''میری جان..... تم تو ہو بے وقوف..... جو اس کی محبت کو آج بھی یاد کر رہی ہو۔ اگر واقعی اسے تم سے سچی محبت ہوتی تو عمر بھر کنوارا بیٹھا رہتا لیکن دیکھ لو چند مہینوں میں ہی وہ تمہارے سامنے کھل کر آ گیا۔ شہلا بیگم نے جلتی پر تیل ڈالا تھا۔

''میرا خیال ہے ممی..... حماد والوں نے منگنی توڑ دی ہوگی۔'' نگی نے قیاس آرائی کی تھی۔ ماں کی باتیں اس کو بالکل سچی لگ رہی تھیں۔

''اور کیا ہم سے قصہ سن کر حماد کے تیور تو ادھر ہی بدل گئے تھے۔ اور پھر سید مکرم علی شاہ نے بھی سوچا ہوگا کہ اب شہر بانو کو کون پوچھے گا لہٰذا اپنے گھر میں ہی اسے کھپا دیں۔'' ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہوئے شہلا بیگم کا قہقہہ تمسخرانہ تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' نگی نے ماں کی تائید کی تھی لیکن اندر سے اسے یوں محسوس ہوا جیسے آج اس کا سب کچھ کھو گیا تھا۔ اس کے حسین چہرے پر عجیب سی یاسیت برسنے لگی تھی۔

''تم کیوں اداس ہو رہی ہو ڈیئر۔'' شہلا بیگم نے بغور بیٹی کے چہرے کو پڑھا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ابھی بھی اس کے دل میں اپنوں کی کشش باقی ہے۔

معاً جہانگیر احمد بیڈروم میں بڑی بے تکلفی سے داخل ہوئے تھے۔ شہلا جس نائٹی میں ملبوس تھیں وہ ان کی ستر پوشی کے لئے ناکافی تھی۔ نگی کو جہانگیر احمد کی موجودگی میں اس وقت یہ سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ حالانکہ جس سوسائٹی میں وہ رہ رہی تھی وہاں یہ باتیں ثانوی حیثیت رکھتی تھیں۔ معظم اور شہر بانو کی شادی سے اس کا دھیان ہٹ چکا تھا۔

''تم جلدی آ گئے آفس سے۔'' شہلا بیگم شوہر کی جانب متوجہ ہوئیں جو اس عمر میں بھی نوجوانوں والی ڈریسنگ کرتے تھے یا آج کل انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا۔

''ہاں..... بھئی تمہاری پرنسس اتنے دنوں بعد گھر آئی ہے میں نے سوچا تم لوگوں کو لنچ باہر کروایا جائے۔'' وہ نگی پر ایک خاص نظر ڈالتے ہوئے بڑے فریش لگ رہے تھے۔

''یہ..... تو تم نے بہت اچھا کیا۔ چلو نگی جان، فوراً تیار ہو جاؤ۔'' شہلا بیگم نے اسے پیار بھرے انداز میں کہا۔ اس وقت وہ چاہتی بھی یہی تھیں کہ نگی کا دھیان بٹ جائے۔

''جی۔'' نگی فوراً اثبات میں سر ہلاتے بیڈ سے اٹھی تھی۔

''گڈ..... گرل اپنے قریب سے گزرتی نگی کے گلاب جیسے رخسار کو اپنی انگلیوں سے چھوتے جہانگیر احمد نے اسے باہر نکلتے ہوئے پرشوق نگاہوں سے دیکھا تھا۔ وہ اسے چھونے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے یہ حرکت شہلا بیگم سے نظر بچا کر کی تھی۔

○○○

وہ اس کی زندگی میں شامل تو ہوگئی تھی لیکن اول شب کے بعد ان کے درمیان فاصلہ دریا کے دو کناروں کی مانند تھا جو ساتھ ساتھ تو چل رہے تھے لیکن ان کا ملاپ ممکن نہیں تھا۔ شہر بانو کو وہ اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ ماں باپ کے سامنے اس نے دانستہ طور پر بڑا معقول بہانہ پیش کر دیا تھا کہ میں ڈیوٹی کے دوران ایک ایک ہفتہ گھر نہیں آتا ہوں۔ شہر بانو اکیلی کیسے رہے گی۔ فی الحال تو میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔'' وہ لوگ بیٹے کی بات سن کر خاموش ہو گئے تھے اور ویسے بھی شہر بانو کو اس کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ معظم اپنی جان چھڑا کر شادی کے تیسرے دن ہی ارجنٹ کال پر اپنی جاب پر کراچی چلا گیا تھا۔ شادی سے پہلے تو وہ مہینے کے کسی بھی ویک اینڈ پر گھر آ جاتا تھا لیکن شادی کے بعد تو وہ مہینوں بعد گھر میں داخل ہوتا۔ وہ بھی ایسے کہ صبح آیا اور شام کو روانہ ہو گیا۔ رات گھر میں رکنا گناہ سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ فون پر روزانہ والدین سے بات چیت ہوتی لیکن شہر بانو سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

پھر بہت جلد اللہ تعالیٰ نے شہر بانو کے قدموں تلے جنت لانے کا فیصلہ کر دیا۔ اس خبر سے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ زیب النساء اور مکرم علی شاہ تو بہت خوش تھے ان کی خوشی شہر بانو کے سامنے تھی۔ البتہ معظم علی شاہ کے بارے میں اسے کچھ خبر نہیں تھی گو کہ زیب النساء نے اسے بھی باپ بننے کی اطلاع دے دی تھی لیکن وہ شخص تو اس کی طرف سے مکمل بے حسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ان دنوں زیب النساء نے تو اسے گویا ہتھیلی کا چھالہ بنا لیا تھا۔ حد سے زیادہ اس کا خیال رکھتیں، اس کے علاوہ شہر کی مشہور گائنا کولوجسٹ سے شہر بانو کا ٹریٹ منٹ چل رہا تھا۔ گائنا کولوجسٹ نے اسے شروع کے مہینوں میں ہی جڑواں بچوں کی آمد سے آگاہ کر دیا تھا۔ گھر والوں کی خوشی تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی لیکن شہر بانو خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے اندر ہی اندر یہ دکھ کھائے جا رہا تھا کہ جس شخص کی اولاد کو وہ جنم دینے والی ہے اس نے ایک بار بھی پلٹ کر اس کی خبر نہیں لی تھی۔

زیب النساء بیٹے کی بے حسی سے پہلے دن سے واقف تھیں گو کہ شہر بانو نے کبھی ان سے معظم کی شکایت نہیں کی تھی لیکن وہ ماں تھیں انہوں نے دونوں کے تعلق کا بڑی گہری نظروں سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ معظم سے اس مسئلے پر کھل کر بات کرنا چاہتی تھیں اور بس وہ موقع کی تلاش میں تھیں۔ اور یہ موقع پھر انہیں بہت جلد مل گیا۔ وہ تقریباً دوماہ بعد گھر آیا تھا اور اس بار ایک اضافی چھٹی لے کر بھی آیا تھا۔ زیب النساء کے خفا ہونے سے پہلے اس نے اپنی چھٹی کی اطلاع دے دی تھی۔ شہر بانو تو اس کی آمد پر ہمیشہ کی طرح ادھر ادھر ہو گئی تھیں۔ رات کے کھانے کے بعد زیب النساء نے اسے ڈائننگ ٹیبل پر ہی گھیر لیا تھا۔ شہر بانو ٹیبل سے اٹھ گئی تھی۔ اس وقت دونوں ماں بیٹے تنہا تھے۔

''میری بات سنو معظم..... اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کی دہری نعمت سے نواز رہا ہے۔ اس وقت تمہیں شہر بانو کا بے حد خیال رکھنا چاہئے لیکن یہاں تو تم مہینوں بعد شکل دکھاتے ہو۔ اس سے اچھے تو تم شادی سے پہلے تھے گھر تو آ جاتے تھے۔'' زیب النساء بے حد سنجیدہ تھیں آج وہ اسے آگاہ کر دینا چاہتی تھیں کہ وہ بے خبر نہیں ہیں۔

''شہر بانو نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' معظم کا فریش موڈ یکلخت تبدیل ہوا تھا۔

''وہ بے زبان کیا کہے گی۔ کیا میری آنکھیں نہیں ہیں۔ ابھی تو میں ہی یہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں اور اگر تمہارے بابا جان یہاں مستقل رہتے تو وہ کب سے تم سے باز پرس کر چکے ہوتے۔'' انہوں نے بیٹے کو بڑی ملامت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''امی جان! سب کچھ تو اسے دے دیا ہے، اب اور آپ کیا چاہتی ہیں؟'' معظم بگڑا تھا۔

''احسان نہیں کیا ہے تم نے اس پر، بیوی کی حیثیت سے وہ اس کا حق ہے۔'' زیب النساء چڑ کر گویا ہوئی تھیں۔

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ وہ میری بیوی نہیں ہے۔'' معظم ان کا انداز دیکھ کر کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

''بیٹا! کتنے نازک مرحلے سے وہ اس وقت گزر رہی ہے لیکن تمہاری توجہ اور محبت سے محروم ہے۔ معظم باپ بننا تو بہت آسان ہے بیٹا لیکن ماں بننا کوئی آسان کام نہیں ایک عورت موت کی سرحدوں کو چھو کر اپنے شوہر کی اولاد کو جنم دیتی ہے، یہی احساس کر لو کہ وہ تمہاری اولاد کو جنم دینے والی ہے۔ چلو وہ تو تمہاری سختی برداشت کر رہی ہے لیکن کیا تم اپنی اولاد کے لئے بھی اتنا ہی سخت دل رکھو گے؟'' زیب النساء نے اس کی اچھی خاصی کھنچائی کی تھی۔

''امی پلیز۔'' وہ جز بز ہو گیا تھا، ان کی بات نے اسے اندر تک جھنجوڑ ڈالا تھا۔

''میری بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا بیٹے۔'' زیب النساء کہتے ہوئے کرسی سے اٹھیں اور نرمی سے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب

بڑھ گئیں۔وہ دانستہ اسے اس وقت تنہا چھوڑ گئی تھیں تا کہ وہ اپنا محاسبہ کر سکے۔

شہر بانو نے ڈرتے ڈرتے اپنے بیڈروم میں قدم رکھے تھے۔آج مہینوں بعد یہ بیڈروم معظم کے وجود سے آباد ہوا تھا۔اس کا ڈر اور جھجک فطری تھی۔معظم بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔شہر بانو نے دروازہ لاک کر کے ایک نظر اس پر ڈالی اور بیڈ کی سمت بڑھ آئی۔بیڈ پر بیٹھ کر وہ اپنا تکیہ آخری کونے پر لگانے لگی تھی۔

''یہ تم نے امی جان کو میرے خلاف کب سے بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔'' وہ کڑے تیوروں سے شہر بانو کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''کک ..... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ جو اپنے ہی دھیان میں تھی معظم کی آواز سن کر بری طرح چونکی تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' معظم نے سخت لہجے میں کہتے ہوئے اس کے بے ڈول ہوتے سراپے کو شاید پہلی بار غور سے دیکھا تھا۔ممتا کا نور اس پر اس طرح برس رہا تھا کہ وہ انتہائی حسین اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔

''میں ایسے چیپ کام کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' اس کا اشارہ سمجھتے شہر بانو نے ہمت کر کے جواب دے ہی دیا۔

''تو پھر سن لو تم کوئی انوکھی ماں نہیں بن رہی ہو دنیا میں روزانہ ہزاروں عورتیں اس مرحلے سے گزرتی ہیں۔ان کے شوہر اپنے کام چھوڑ کر ان کے گھٹنوں سے نہیں لگے رہتے ہیں۔معظم نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلتے انتہائی خشک لہجے میں کہا تھا۔

''میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔'' شہر بانو کی زبان سے بے ساختہ پھسل گیا تھا۔وہ بری طرح چڑ گئی تھی۔

''ہاں میری ماں کو الہام ہونے لگے ہیں تمہاری طرف سے۔'' معظم نے گہرا طنز کرتے ہوئے کہا تھا۔

شہر بانو نے اسے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ کروٹ کے بل لیٹ گئی تھی۔

''شاہ جی مجھے اپنی اوقات تو معلوم ہے میں کسی خوش فہمی میں نہیں ہوں لیکن وہ جو آپ کی امانت میری کوکھ میں پرورش پا رہی ہے آپ کو تو ان کا بھی احساس نہیں۔وائے قسمت۔میں ہی بھول جاتی ہوں آپ کا تو دل ہر احساس سے خالی ہو چکا ہے۔اپنے دکھوں پر ماتم کرتے وہ چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی۔

○○○

شہلا بیگم ..... اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے اکیلی کہیں نکلی ہوئی تھیں۔نگی بھی آج فارغ تھی لیکن اپنے بیڈروم میں ریسٹ کر رہی تھی۔جہانگیر احمد البتہ رات سے گھر نہیں آئے تھے اور اب گھر میں داخل ہوئے تو رات کا نشہ سر پر سوار تھا۔نوکروں سے معلومات لے کر وہ سیدھے نگی کے بیڈروم میں بغیر دستک دیئے داخل ہو گئے۔

نگی نائٹ ڈریس میں بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی کسی فیشن میگزین کے مطالعے میں مصروف تھی۔جہانگیر احمد پہلی بار اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے لیکن ان کا اس طرح آنا نگی کو بے حد ناگوار گزرا تھا۔وہ بیڈ پر اٹھ بیٹھی تھی۔

''ہیلو ..... پرنسس'' ملگجے سے لباس میں لڑکھڑاتے قدموں سے وہ بڑی بے تکلفی سے اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

''انکل ..... یہ کیا طریقہ ہے کسی کے کمرے میں آنے کا۔آپ کو دستک دے کر آنا چاہئے تھا۔'' نگی کو ان کی بے تکلفی ہضم نہیں ہوئی تھی۔اس کے انداز میں بدستور ناگواری جھلک رہی تھی۔

''سوئیٹ ہارٹ ..... آپ کے ..... اپنوں کے کمرے میں آ ..... آنے کے ..... لئے اجازت کی کیا ضرورت۔'' جہانگیر احمد نے پی ہوئی آنکھیں اس کے دلکش سراپے میں گاڑتے ہوئے بولے تھے۔

''انکل ..... پلیز جائیں آپ یہاں سے۔'' نگی کو ان کی سرخ سرخ آنکھوں سے عجیب خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

''چل ..... چلا جاؤں گا ..... پرنسس ..... وہ ..... وہ آج ..... تمہاری باڈی گاڈ ..... ماں نے تت ..... تمہیں اکیلے کیسے چھوڑ ..... دیا۔'' جہانگیر احمد لڑکھڑاتی زبان سے اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔

''یہ ..... یہ ..... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔پلیز جائیں میرے کمرے سے۔'' نگی وحشت زدہ سی ہو رہی تھی۔وہ کھسکتی کھسکتی ..... بیڈ کے آخری کونے سے جا لگی تھی۔

''ویسے ..... پرنسس ..... تمہیں ایک ..... ایک خا ..... خاص بات بتاؤں۔تمہاری ممی ..... کو ..... تت ..... تم سے کوئی ..... محبت ..... نہیں ..... ہے ..... وہ ..... وہ صرف تمہاری دولت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔جو ..... تم اپنے ساتھ لائی ہو ..... دیکھو ..... تمہیں اس نے پیسے کی مشین ..... بنا لیا ہے۔اور ..... اور ..... ہاں ..... تمہارا باپ ..... میرا بہت اچھا دوست تھا وہ ..... آ ..... آدمی بھی بہت اچھا تھا۔تمہاری ماں سے ..... اسے عشق تھا۔دونوں کی پسند کی شادی تھی۔لیکن تت ..... تمہاری ماں نے ..... تمہارے باپ کے ساتھ بے وفائی کی ..... وہ اچھی عورت نہیں ہے ..... اس نے میری دولت کی خاطر ..... تمہارے باپ کو چھوڑ دیا ..... تمہارے باپ نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔اس نے کورٹ سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا ..... اکبر علی شاہ ..... بہت عزت دار آدمی تھا۔اس نے کورٹ میں جانا مناسب نہیں سمجھا ..... اور ..... خاموشی سے شہلا بیگم کو طلاق دے دی۔لیکن ..... اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور چند دنوں میں ہی موت کو گلے لگا لیا ..... ویسے ..... پرنسس ..... تت تمہاری ماں جوانی میں غضب کی چیز تھی ..... اسی لئے تو ..... مم ..... میرا دل بھی اس پر آ گیا تھا ..... اور جس چیز پر مم ..... میرا د ..... دل ..... آ ..... آ جائے میں ..... اسے حاصل کر کے رہتا ہوں ..... و ..... ویسے ..... تت ..... تمہاری ماں کا دل میری ..... دولت ..... پر آیا تھا ..... لیکن ..... مم ..... میں نے بھی اس کے نام ایک پیسہ نہیں لگایا ..... ہا ..... ہاں ..... اب تت ..... تمہارے نام ..... س ..... سب کچھ لگا دوں گا ..... کک ..... کیوں کہ ..... تم اپنی ماں سے زیادہ خوبصورت ہو ..... اور تمہیں' میں حاصل ..... کر کے ..... رہوں گا ..... ہا ..... ہا ..... ہا۔'' جہانگیر احمد نے نشے میں مست اٹک اٹک کر شہلا بیگم کی زندگی کے اہم راز کا پردہ فاش کرتے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا اور اپنی آئندہ کی پلاننگ اسے بتا کر بیڈ پر چت بے ہوش ہو چکے تھے۔ان کا آدھا حصہ بیڈ پر تھا اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھیں۔

''نگی ..... تو بس ایک خوف و دہشت کی کیفیت لئے اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑے جہانگیر احمد کو دیکھے جا رہی تھی۔وہ جو کہہ رہے تھے کیا وہ حقیقت تھی یا جھوٹ فی الحال تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ان کا یہ روپ نگی کے لئے بالکل نیا تھا۔

اسی لمحے شہلا بیگم گھبرائی ہوئی نگی کے بیڈروم میں داخل ہوئیں۔باہر ملازم سے جہانگیر احمد کی حالت کی انہیں تمام معلومات مل گئی تھی۔نگی کو انہیں دیکھ کر ہوش آیا تھا۔وہ بیڈ سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی ان کے سینے سے لگ کر بری طرح روتے ہوئے انہیں تمام باتیں بتاتی چلی گئی۔شہلا بیگم نے فوراً دونوں ملازموں کو آوازیں دے کر بیڈ پر پڑے جہانگیر احمد کو اٹھانے کو کہا تھا اور چند منٹوں میں یہ کام ہو گیا تھا۔

لیکن ماں کے سینے سے لگی نگی رونے میں مشغول تھی۔

''بس ..... نگی میری جان ریلیکس ہو جاؤ۔'' شہلا بیگم اپنے راز کھلنے پر خود بھی گھبرا گئی تھیں لیکن بیٹی کے سامنے ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔

''ممی ..... انکل آپ کے لئے بہت غلط بول رہے تھے۔'' انہیں حقیقت بتا کر بھی نگی نے ایک بار پھر وہی بات دہرائی تھی کیونکہ اسے اپنی ماں میں ابھی بھی کوئی برائی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''دیکھو بیٹا! جب یہ شخص نشے میں ہوتا ہے تو یونہی اول فول بکتا ہے۔تم دیکھنا صبح خود جہانگیر تم سے سوری کریں گے۔دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے شہلا بیگم شوہر پر غصہ کرتے اسے تسلی دے رہی تھیں۔انہیں یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی ان پر ذرا برابر شک نہیں کر رہی اور وہ جہانگیر کو ہی برا کہہ رہی ہے۔

اور صبح وہی ہوا جیسا شہلا بیگم نے کہا تھا۔جہانگیر احمد ناشتے کی ٹیبل پر نگی سے بڑے نارمل انداز میں ملے تھے بلکہ اپنے کل والے رویے (کل کا انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ نشے کی حالت میں کیسا بھیانک انکشاف کر چکے ہیں لیکن جب انہیں شہلا بیگم نے حقیقت بتائی تو ان کے چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ آ گئی تھی۔) کی اس سے باقاعدہ سوری کی تھی۔

○○○

اللہ تعالیٰ نے شہر بانو کو جڑواں بیٹوں کی نعمت سے نوازا تھا۔اس خاندان کو اس نے اکٹھے دو ولی عہد دیئے تھے۔اس کی جڑیں کس قدر مضبوط ہو گئی تھیں یہ تو اس کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ایک بہت بڑی خوشی تھی جو اس کے حوالے سے پورے خاندان کو ملی تھی۔خوش تو شہر بانو بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جینے کا سامان پیدا کر دیا تھا۔اس کے قدموں تلے جنت آ گئی تھی لیکن تنہائی میں اپنے بیٹوں کو پیار کرتے وہ بڑی شدتوں سے روئی بھی تھی' نہ جانے اسے کیا کیا یاد آیا تھا۔ہاسپٹل میں اس کے ساتھ زیب النساء اور شاہدہ بیگم تھیں۔تیسرے دن وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو گئی تھی۔سید مکرم علی شاہ بھی چھٹی پر گھر آئے ہوئے تھے۔انہوں نے معظم کو پہلے ہی دن اس کے بیٹوں کی آمد کی خبر کر دی تھی لیکن فی الحال اسے چھٹی نہیں مل رہی تھی لیکن شہر بانو کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ وہ بیٹوں کی پیدائش پر بہت خوش ہے۔دونوں کے نام بھی اسی نے عمیر اور حمزہ تجویز کئے تھے۔یہ سب باتیں وہ اپنے والدین کے ساتھ فون پر کر رہا تھا۔شہر بانو کے ساتھ تو وہ بھول کر بھی رابطہ نہیں کرتا تھا اور شہر بانو کو تو یہ سب دکھاوا لگ رہا تھا جو وہ اپنے والدین کے ساتھ کر رہا تھا۔عمیر اور حمزہ دس دن کے تھے اور وہ اچانک آ گیا۔والدین سے مل کر وہ بڑی بے تابی سے اپنے بیڈروم میں داخل ہوا تھا۔شہر بانو باتھ روم میں تھی اندر سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ بچوں کے کاٹ کی طرف بڑھا تھا۔بڑی آزادی سے وہ ان صحت مند اور گلابی گلابی گڈوں کو پیار کر رہا تھا اس کے سوئے ہوئے احساسات پوری شدت سے جاگے تھے۔

معاً باتھ روم کا دروازہ کھلا اور شہر بانو تولیے سے چہرہ صاف کرتی باہر نکلی تھی اس کی اس غیر متوقع آمد پر وہ بری طرح چونکی تھی۔وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے لیکن شہر بانو کے انداز میں ایک اعتماد ایک شان تھی جبکہ معظم کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے چور چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔

''اولاد تو میری ہے'' یہ ایک ایسا غرور تھا جس نے معظم کو چند لمحوں میں ہی اس کیفیت سے باہر نکال لیا تھا۔وہ شہر بانو کو نظر انداز کرتے جھک کر سوئے ہوئے حمزہ کو پیار کرنے لگا تھا۔

شہر بانو اس کے اس انداز پر حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی یہ وہ اولاد تھی جس کے بارے میں اس نے کبھی بھول کر بھی شہر بانو سے بات نہیں کی تھی اور اب کیسے پیار لٹایا جا رہا ہے۔

''شاہ جی! ان بچوں کو اولاد کا نام دیں گے یا پھر فارمیلیٹی کہیں گے۔'' اعتماد سے بھرپور لہجے میں کہتے ہوئے وہ سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ہاتھ میں پکڑا ناول سائیڈ میں پڑی کرسی پر ڈال دیا تھا۔

''معظم اس کی بات سن کر چاروں شانے چت گرا تھا۔اٹھنے میں مشکل تو ہونی تھی کود میں اٹھائے حمزہ کو اس نے بڑی احتیاط سے کاٹ میں ڈالا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا شہر بانو کے بے حد نزدیک آ کھڑا ہوا اور بغور اس کی سمت دیکھنے لگا۔اس وقت اس کے سامنے وہ شہر بانو نہیں کھڑی تھی جو شادی کے بعد اس کے سامنے ڈری سہمی رہتی تھی۔بلکہ آج معظم کو وہ معمول سے ہٹ کر نظر آ رہی تھی۔

شہر بانو اس کو اتنا نزدیک دیکھ کر بری طرح نروس ہونے لگی تھی۔ نگاہ اٹھائی تو وہ اسے بڑے سپاٹ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ از خود جھک گئی۔ اپنی زبان سے نکلنے والی بات پر اب وہ پچھتا رہی تھی۔

''میرے بچوں کی ماں بن کر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تم میرے دل تک رسائی حاصل کر لو گی تو یہ تمہاری بھول ہے شہر بانو...... اس دل میں آج بھی نگی آباد ہے۔'' معظم سنجیدگی سے کہتے ہوئے سخت لہجے میں اسے یاد دہانی کروا رہا تھا۔

شہر بانو کو یہ تو معلوم تھا کہ وہ اس کے حق میں کسی ظالم بادشاہ سے کم نہیں تھا لیکن اس سے اس قدر کڑوے جواب کی توقع نہیں تھی۔ نچلا لب کاٹتے اس نے معظم کی سمت شکایتی انداز میں دیکھا تھا۔ جھوٹا...... کہیں کا کہہ رہا تھا عورت ذات سے دل بھر گیا ہے اور اس ناگن کو ابھی تک دل میں بٹھایا ہوا ہے۔

''ایسے مت دیکھو...... بے شک تم نے اس گھر میں اپنی جڑیں بے حد مضبوط کر لی ہیں لیکن میرے دل میں تمہارے نام کی ایک کونپل بھی نہیں کھلی ہے۔ اور ہاں آئندہ ایسی بات کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا ضرور...... چاہے میں نے کچھ بھی کہا ہو' لیکن عمیر اور حمزہ بیٹے میرے ہی کہلائیں گے۔'' معظم کے لہجے میں غرور نہیں لیکن فخر کی جھلک ضرور تھی۔ وہ شہر بانو پر سلگتی نظر ڈال کر پلٹا اور بیڈ روم سے باہر نکل گیا تھا۔

شہر بانو...... پتھر کی مورتی کی مانند اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھیں۔

اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ جیسے انقلاب ہی آ گیا۔ وہ جو مہینوں بعد گھر آتا تھا اب اپنے بیٹوں کی کشش میں ہر چھٹی پر گھر آنے لگا تھا۔ یہ تبدیلی زیب النساء اور شہر بانو دونوں نے ہی محسوس کی تھی۔ لیکن اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ زیب النسا تو بہت خوش تھیں وہ اب اکثر شہر بانو کو کہتیں۔

''دیکھنا شہر بانو یہ عمیر اور حمزہ کی محبت اسے تمہاری طرف پلٹنے پر مجبور کر دے گی۔''

گو کہ دو سال کا عرصہ گزرنے والا تھا لیکن معظم اور شہر بانو کے درمیان اپنی ذات کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں بچوں کے متعلق ضرور بات ہونے لگی تھی لیکن ایک تبدیلی وقت نے شہر بانو کے اندر بھی کر دی تھی۔ اب وہ معظم کی ہر بات پر سر نہیں جھکاتی تھی' بلکہ جو بات اسے ناگوار گزرتی تھی اس کا جواب معظم کو دینا ضروری سمجھتی تھی۔ یہ حوصلے اسے کچھ ساس نے دیئے تھے اور کچھ ماں بننے کے بعد از خود اس کے اندر نمو پا گئے تھے۔ کبھی کبھی معظم کو اس کے انداز بہت حیران کرتے تھے لیکن وہ اس کے پیارے پیارے بیٹوں کی ماں تھی یہی سوچ لحاظ پر مجبور کر دیتی تھی۔

OOO

دوپہر کا وقت تھا فائرنگ کی آواز شہلا بیگم کے بیڈ روم سے آئی تھی۔ اس وقت گھر میں صرف نگی تھی وہ بھی اپنے کمرے میں تھی فائرنگ کی آواز سن کر وہ بری طرح ڈر گئی تھی لیکن پھر ہمت کر کے اپنے کمرے سے نکلی ادھر ادھر دیکھا کوئی ملازم بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پورے گھر پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دھڑ سے شہلا بیگم کے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کارپٹ پر شہلا بیگم خون میں لت پت تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔

''ممی...... ممی......'' وہ شہلا بیگم کو اس حالت میں دیکھ کر حواس باختہ چیختی ہوئی ان کے قریب جا کر جھک گئی تھی۔

''یہ...... یہ...... کیا ہوا...... کس نے یہ سب کیا؟'' نگی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

''دو...... نقاب پوش شخص تھے...... لیکن نگی تم میری بات غور سے سنو...... یہ سب میرے ساتھ جہانگیر احمد...... نے کروایا ہے' اصل میں شروع سے ہی وہ تم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ نہ جانے کتنی لڑکیوں کی وہ زندگیاں تباہ کر چکا ہے۔ کچھ عرصے سے وہ تمہاری وجہ سے مجھ سے لڑ رہا تھا...... اور...... اور اب...... تو اس نے مجھ سے صاف کہہ دیا تھا کہ تمہیں مار کر تمہاری بیٹی سے شادی کروں گا۔ ورنہ اسے بھی حاصل کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہے۔ میں...... نکاح کے بغیر بھی کام چلا لوں گا۔'' شہلا بیگم درد کی شدت کو دباتے ہوئے اٹک اٹک کر بڑی صاف گوئی سے بولی تھیں۔

''جی......'' ان کی بات سن کر نگی آنسوؤں کے درمیان حیرت سے بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''اف......'' معاً شہلا بیگم پیٹ پر ہاتھ رکھے کراہ کر رہ گئیں گولیاں ان کے پیٹ اور سینے میں لگی تھیں۔

''خیر چھوڑیں ان باتوں کو...... میں ہاسپٹل فون کر کے ایمبولینس بلواتی ہوں آپ کو فوراً ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔ وہ ان کے سینے سے ابلتے خون کو دیکھ کر بری طرح خوف زدہ ہو رہی تھی۔ وہ فوراً فون کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

''نگی بیٹا...... مجھے ہاسپٹل نہیں جانا...... مجھے تم سے آج اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے۔ ہو سکے تو اپنے تایا تائی سے بھی کہنا کہ مجھے معاف کر دیں...... ویسے میں معافی کے قابل تو نہیں ہوں۔'' شہلا بیگم نے اپنے قریب سے اٹھتی بیٹی کا ہاتھ اپنی کمزور سی گرفت میں تھام لیا تھا۔ ان کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

نگی ٹھہر گئی لیکن اس کے اشک رواں تھے وہ خاموشی سے ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو نگی...... ایک بار جہانگیر نے تمہارے کمرے میں نشے کی حالت میں جو کہا تھا وہی میری حقیقت ہے نہ...... میں اکبر علی شاہ...... کی اچھی بیوی ثابت ہوئی اور نہ میں تمہارے لئے اچھی ماں ثابت ہوئی' میں تمہیں دولت کی ہوس میں یہاں لائی تھی۔ نگی مجھے چند دن پہلے یہ احساس ہوا تھا کہ میری ایک بیٹی بھی ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔'' شہلا بیگم بگڑتے ہوئے تنفس کے ساتھ اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑے گڑگڑا رہی تھیں۔

نگی کے اوپر گویا غم و صدمے کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ وہ اپنی جگہ دنگ رہ گئی۔ یہ اس کی ماں کی زبان کیسا بھیانک اعتراف کر رہی تھی۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

کیا...... بابا جان' امی جان اور معظم ٹھیک کہتے تھے...... آج ایک عرصے بعد اسے ان لوگوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

''جاؤ بیٹی یہاں سے فوراً بھاگ جاؤ۔ تمہارے تایا تائی بہت اچھے ہیں اور تم ان کا خون ہو وہ تمہاری تمام غلطیاں معاف کر دیں گے۔ میں بہت بری عورت ہوں...... جاؤ نگی چلی جاؤ یہاں سے ورنہ جہانگیر تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ تمہاری عزت کو خطرہ ہے۔ میری بیٹی چلی جاؤ یہاں سے اپنے تایا تائی کے پاس اور ہاں میرے لاکر...... سے اپنی پراپرٹی کے کاغذات نکال لو...... جاؤ نگی اس سے پہلے کہ جہانگیر آ جائے...... بھاگ جاؤ......'' شہلا بیگم اس کے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے تھیں۔ انہوں نے بڑے کرب سے کہتے ہوئے آخری ہچکی نگی کے سامنے لی تھی۔

نگی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ہونٹوں سے نکلنے والی چیخوں کو روکا تھا۔ اس کے سامنے سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور وہ دیکھتی رہ گئی۔

پھر نگی چند منٹوں میں اس گھر سے ہی کیا اس شہر سے ایسے نکلی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ایک لمحہ کو یہ بھی خیال آیا کہ اسی شہر میں معظم بھی ہوتا ہے لیکن اس کے سامنے وہ کس منہ سے جاتی۔ ریل کے ذریعے وہ اسی شام اپنے آبائی شہر پہنچ گئی تھی۔ اس نے آج تقریباً دو ڈھائی سال بعد اس گھر میں قدم رکھے تھے۔ جسے وہ ٹھوکر مار کر گئی تھی۔ پہلے ہی مقام پر مکرم علی شاہ اور زیب النساء کا سامنا ہو گیا۔ وہ دونوں میاں بیوی اپنے ہی دھیان میں عمیر اور حمزہ کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''نن...... نگینہ۔'' معاً مکرم علی شاہ کی نگاہ دروازے کی سمت اٹھی کی اٹھی رہ گئی۔ انہیں کالی چادر میں لپٹی نگینہ کھڑی نظر آئی تھی۔ ڈھیروں حیرتیں لئے وہ اسے پکار بیٹھے تھے۔ زیب النساء نے بھی ان کے تعاقب میں دیکھا اور ان کی حالت بھی شوہر سے مختلف نہیں تھی۔

نگینہ نے ان کی آواز بغور سنی تھی لیکن اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ نظر اٹھا کر سامنے دیکھتی۔ کافی دیر سے وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی لیکن اب اس میں سکت نہیں تھی۔ وہ لہرائی اور ادھر ہی بے ہوش ہو کر کارپٹ پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ مکرم علی شاہ اور زیب النساء بیک وقت اٹھ کر بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے نگی کو ہاتھ لگایا تو وہ کسی انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔

وہ پورا ایک ہفتہ شدید بخار میں مبتلا رہی۔ زیب النساء کے ساتھ شہر بانو بڑی خندہ پیشانی سے اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں لیکن نگی کی دوبارہ آمد سے اس کے اندر ایک بے نام سا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ شادی کے بعد زیب النساء نے نگی کی ماں کی تمام حقیقت اسے بتا دی تھی لیکن نگی تو ان کا خون تھی۔ وہ میاں بیوی اسے دیکھتے ہی نرم پڑ گئے تھے۔ شاہدہ بیگم بھی بھتیجی کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔ صبح شام ڈاکٹر نگی کا چیک اپ کرنے آ رہا تھا۔ البتہ معظم کو اس کے آنے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

نگی تقریباً آٹھویں دن مکمل ہوش میں آئی تھی لیکن یہ ہوش مندی اس کے لئے کسی اذیت سے کم نہیں تھی۔ وہ زیب النساء کے سینے میں منہ چھپا کر اس طرح تڑپ تڑپ کر روئی تھی کہ انہیں اس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے جائیداد کے کاغذات نکال کر مکرم علی شاہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس دولت کا ہی تو سارا جھگڑا تھا۔ نگی نے ان سب سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ حرف حرف انہیں بتا دیا تھا۔ اور اب گڑگڑا کر ان سب سے معافی مانگ رہی تھی۔ شہر بانو سے بھی بطور خاص معافی مانگی تھی وہ بے حد شرمندہ تھی اور وہ تو سدا کے مہربان لوگ تھے۔ غیروں سے حسن سلوک کرتے تھے وہ تو پھر اپنا خون تھی۔ انہوں نے ایک حرف شکایت کئے بغیر اسے اپنی مہربان آغوش میں لے لیا تھا۔ سید مکرم علی شاہ تو اسے دیکھ کر دوبارہ زندہ ہو گئے تھے اور شہر بانو کو آج اس لڑکی کا غرور و تکبر سب ختم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک نئی نگی موجود تھی۔

حسب معمول وہ ویک اینڈ پر گھر آیا تو اس کے لئے نگی والی خبر کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے والدین نے اسے اس معاملے سے بے خبر رکھا ہوا تھا لیکن آج وہ باخبر ہو گیا تھا۔ اس نے سب کچھ خاموشی سے سنا اور بغیر کسی تبصرے کے وہاں سے اٹھ گیا۔ فی الحال اس کا نگی سے ملنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس کے احساسات و جذبات عجیب سے ہو رہے تھے۔

وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو شہر بانو وارڈ روب میں سر دیئے مصروف نظر آئی۔ اس کی پشت پر لہراتی لمبی چوٹی پر نظر بے ساختہ اٹھی تھی۔ عمیر اور حمزہ فیڈر پیتے ہوئے بیڈ پر نظر آئے۔ دوسری طرف شہر بانو کو بھی اس کے آنے کی اطلاع کافی دیر پہلے ملازمہ سے مل چکی تھی اور اب کمرے میں اس کی مخصوص پرفیوم کی خوشبو پر وہ اس کی موجودگی محسوس کر چکی تھی۔ لیکن اپنی مصروفیت ترک نہیں کی تھی۔

''مجھے...... ایک بات تو بتاؤ گی یہاں دس دن سے موجود ہے اور تم نے مجھے بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' وہ اس کی پشت پر کھڑا بغیر کسی تمہید کے سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا۔

''میں تو سمجھی تھی کہ بابا جان اور امی جان نے آپ کو بتا دیا ہو گا۔ آخر روز ہی آپ کی ان سے فون پر بات ہوتی ہے۔'' شہر بانو نے پلٹ کر اسی سنجیدگی سے جواب دیا تھا جیسی مقابل کے لہجے میں تھی۔ اس نے دانستہ تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا تھا۔

''فون تو تمہیں بھی میں روز کرتا ہوں۔'' معظم کے لہجے میں سختی اتر آئی تھی۔ اس نے اپنے سامنے کھڑی تر و تازہ سی شہر بانو کو بغور دیکھا تھا۔

''شاہ جی! آپ اپنے بچوں کے لئے فون کرتے ہیں۔'' یہ حقیقت تھی وہ اندر ہی اندر تلملا گئی تھی۔

''شہر بانو! مجھے زبان دراز عورتیں ایک آنکھ نہیں بھاتی ہیں۔'' اب وہ خواہ مخواہ کا غصہ اس پر اتار رہا تھا۔

''میں تو شاہ جی آپ کو ویسے ہی نہیں بھاتی' یہ تو آپ مجھ پر الٹا الزام لگا رہے ہیں۔'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے پلٹ کر وارڈ روب کی سمت متوجہ ہو گئی تھی۔

معظم اس کی دیدہ دلیری پر جل بھن کر بیڈ کی سمت بڑھا تھا اور بچوں کے قریب ہی نیم دراز ہوگیا تھا۔ باپ کی بیٹوں کیساتھ بہت اچھی دوستی تھی۔ اس لئے وہ دونوں بھی اپنے فیڈر چھوڑ کر اس کی طرف لپکے تھے۔ لیکن معظم نہ جانے کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا وہ عمیر اور حمزہ کی جانب متوجہ نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ وہ دونوں بابا...... بابا کر رہے تھے۔

''آؤ بیٹا' باہر چلتے ہیں آپ کے بابا کو اس وقت تنہائی کی ضرورت ہے۔ وہ وارڈروب بند کر چکی تھی اور اب بیڈ کے نزدیک آ کر بچوں کو اس کے سینے سے اتارتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے بولی تھی۔

''شہر بانو! تمہاری ان باتوں سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' نیم دراز معظم نے عمیر اور حمزہ کو پیار کرتے اس کی سمت گھور کر دیکھا تھا۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں شاہ جی' کہ اگر آپ اپنی محبت سے ابھی تک نہیں ملے تو جا کر مل آئیں شاید آپ کا موڈ اعتدال میں آ جائے۔ شہر بانو نے بھی طنز کرتے تاک کر تیر پھینکا تھا۔

''اب تم میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔'' معظم کا انداز ہنوز گھورنے والا ہی تھا۔

''ہونہہ...... میری اوقات ہی کیا ہے۔ جائز فائدہ تو میں آج تک اٹھا نہیں سکی آپ ناجائز کی بات کرتے ہیں۔'' شہر بانو افسردگی سے کہتے ہوئے عمیر اور حمزہ کو بیڈ سے اتار کر دھیرے دھیرے چلاتی بیڈ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

اور معظم اس وقت واقعی تنہائی چاہتا تھا۔

اور پھر شام میں شہر بانو نے عجیب ہی منظر دیکھا' ہال کمرے میں مکرم علی' شاہ زیب النساء اور شاہدہ بیگم کی موجودگی میں نگی معظم کے قدموں میں جھکی اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

''میں نے سب سے زیادہ تمہیں دکھ دیئے ہیں معظم' مجھے تم معاف کر دو۔'' اس بات کی تکرار وہ معظم کے قدموں میں جھکی کر رہی تھی اور معظم اسے اپنے قدموں سے اٹھاتے اس کے آنسو اپنے رومال سے صاف کر رہا تھا۔ یہ ساری کارروائی شہر بانو نے دروازے کی آڑ میں سے دیکھی تھی اور دل پر ڈھیروں بوجھ لئے ادھر سے ہی پلٹ گئی تھی لیکن معظم کی زیرک نگاہوں نے شہر بانو کو دیکھ لیا تھا۔

وہ دو دن کی چھٹی پر آیا تھا اور یہ سارا وقت نگی کو دے رہا تھا۔ رات میں معظم اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو بچے بھی اپنے اپنے کاٹ میں سوتے ہوئے نظر آئے اور شہر بانو بھی بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔ معظم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور باتھ روم میں گھس گیا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اندر اس کا نائٹ سوٹ موجود نہیں تھا۔ شہر بانو کبھی ایسی غفلت نہیں کرتی تھی۔ لیکن نگی کی آمد سے اس کے تیور بدل گئے تھے۔ یہ اسی کا اظہار تھا۔ معظم نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ وارڈروب کی طرف بڑھ آیا۔ اپنا نائٹ سوٹ وارڈروب سے نکالتے ہوئے اس نے آج ایک ایسی چیز دیکھی تھی کہ جس کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک ساتھ بہت سارے سوال ذہن میں ابھر رہے تھے۔ نگی کے ساتھ وہ آج تک کیا کرتا آیا تھا' یکلخت سوچ کے کئی در وا ہوتے گئے۔ وہ اپنی جگہ ششدر کھڑا تھا۔ پھر وہ باتھ روم کی سمت بڑھ گیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد بیڈ پر آ کر دراز ہو گیا تھا۔ شہر بانو آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے تھی۔ وہ سو نہیں رہی تھی بلکہ جاگ رہی تھی۔ اتنا تو وہ محسوس کر چکا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بیڈ کے آخری کونے سے لگی ہوئی تھی۔ معظم نے کبھی اس دوری کو محسوس نہیں کیا تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں یہ دوری محسوس ہو رہی تھی۔

''ویسے شہر بانو کل شام جو نظارہ تم دروازے کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں وہ اندر آ کر بھی دیکھ سکتی تھیں۔ میں تو صرف نگی کے آنسو صاف کر رہا تھا۔'' معظم سوچ کچھ اور رہا تھا لیکن اس کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی۔

''شاہ جی!'' شہر بانو اپنی چوری پکڑی جانے پر تڑپ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے بے حد فاصلے پر دراز معظم کو شاکی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کیا ہے۔'' سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے معظم نے بغور اس کی سمت دیکھا۔ مدھم روشنی میں وہ ایک دوسرے کو بآسانی دیکھ رہے تھے۔

''میری بے بسی کا تماشا مت دیکھیں شاہ جی!'' وہ بے حد رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔

''چہ خوب...... بھئی آپ تو بے حد با اختیار ہیں۔ شہر بانو...... کبھی آپ نے غور ہی نہیں کیا۔'' معظم نے اس کا تمسخر اڑایا تھا۔

''شاہ جی!'' مارے صدمے کے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ سارے اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہیں پھر وہ اسے با اختیار کیسے کہہ رہا ہے۔

''دیکھو تم جانتی ہو مجھے روتی ہوئی عورتیں انتہائی بری لگتی ہیں۔ خاموش ہو جاؤ پلیز...... بچے اٹھ جائیں گے۔'' معظم کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

شہر بانو پر ذرا اثر نہیں ہوا۔ وہ ہنوز رونے میں مصروف تھی۔ لیکن آواز دھیمی تھی۔

''خاموش ہو جاؤ۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' معظم نے حکمیہ انداز میں دھمکی دی تھی۔

''آ...... آپ سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔'' شہر بانو نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے خفگی بھرے انداز میں برجستہ کہا تھا پھر لیٹ کر منہ تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔

معظم لاجواب ہو گیا تھا لیکن آج نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ ماضی جو شادی سے پہلے شہر بانو کے ساتھ گزرا تھا اس کا ایک ایک پل کسی فلم کی طرح ذہن کی اسکرین پر چل رہا تھا۔

پھر نگی زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ گھر میں مکرم علی شاہ زیب النساء کے مشفقانہ رویہ اور پھر سب سے بڑھ کر معظم کی دلجوئی نے اسے کافی سہارا دیا تھا۔ رویہ تو شہر بانو کا بھی اس سے خراب نہیں تھا اور نگی بھی اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے بات کرتی تھی اور عمیر و حمزہ سے بھی بے حد لگاوٹ کا اظہار کرتی تھی لیکن ان سب باتوں سے ہٹ کر دیکھا جائے تو وہ معظم کے ساتھ ہر وقت موبائل پر باتوں میں مصروف نظر آتی تھی۔ اور اس کی یہی بات شہر بانو کو ہر وقت تفکر میں رکھتی تھی حالانکہ زیب النساء نے اسے کئی بار تنہائی میں حوصلہ دیا تھا کہ ''جو تم سوچ رہی ہو وہ اب کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے بیٹے کو اچھے...... برے کی پہچان ہو گئی ہے۔''

پھر بہت جلد مکرم علی شاہ نے نگی کی شادی کا بندوبست کر دیا ان کے دوست عتیق حسن جو کہ اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے' انہوں نے خود اپنے بیٹے فاروق حسن کے لئے نگی کا رشتہ مانگا تھا بلکہ نگی خالص ان کے بیٹے کی پسند تھی۔ مکرم علی شاہ نے اسلام آباد سے فون پر زیب النساء اور معظم سے مشورہ کر کے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا۔ نگی نے اس پرپوزل پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ خاموشی سے سر جھکا دیا۔ لیکن اسے معظم کا انتظار تھا۔ وہ اس سے ایک بار کھل کر بات کرنا چاہتی تھی جبکہ شہر بانو دل ہی دل میں بے حد خوش تھی لیکن اس کے باوجود ڈر کا ایک سانپ اس کے دل میں ابھی کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

اور اس بار معظم آیا تو نگی اس کے سامنے بکھر بکھر گئی۔ شہر بانو کو وہ کافی کا کہہ کر نگی کے بیڈ روم میں آیا تھا۔ شہر بانو نے جلدی سے کافی بنائی اور نگی کے بیڈ روم کی طرف پلٹ آئی۔ دروازہ بند نہیں تھا۔ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ شہر بانو سے یہ بھول ہوئی کہ اس نے دستک نہیں دی بلکہ دروازہ ہلکے سے دھکیل کر اندر داخل ہو گئی لیکن آنکھوں نے جو نظارہ دیکھا اس نے شہر بانو کے وجود کو خاک کر دیا تھا۔

معظم چیئر پر بیٹھا ہوا تھا اور نگی کارپٹ پر بیٹھی اس کے زانو پر سر رکھے بری طرح رو رہی تھی اور اشکوں میں نہ جانے اپنے ماضی کی محبت کے کون سے قصے اسے سنا رہی تھی۔ وہ فاروق حسن کے پرپوزل پر انکار کر رہی تھی۔ اس کی پشت شہر بانو کی سمت تھی جبکہ معظم کا رخ دروازے کی سمت تھا۔ اس نے شہر بانو کو دیکھ لیا تھا لیکن وہ اسے دیکھ کر بالکل نروس نہیں ہوا تھا بلکہ نگی کے شانے پر ایک ہاتھ رکھے اسے مسلسل تسلیاں دے رہا تھا۔ شہر بانو اپنے بے جان ہوتے وجود کو نہ جانے کیسے گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ ایک سپاٹ سی نظر ان دونوں پر ڈالی اور ٹرے تپائی پر پٹخ کر کسی تیر کی مانند کمرے سے باہر نکلی تھی۔

وہ غصہ میں بھڑ بھڑ کرتی لاؤنج میں داخل ہوئی تو زیب النساء دونوں بچوں کے ساتھ مصروف نظر آئیں۔ دونوں کے آگے ڈھیروں قیمتی کھلونے پڑے تھے لیکن حمزہ ماں کو دیکھ کر سب چھوڑ چھاڑ کر اس کی سمت بڑھا تھا۔

''ماما...... ماما'' کرتا وہ مچل رہا تھا کہ مجھے گود میں اٹھا لو۔

شہر بانو کو تو اس وقت بچے بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

''کیوں میری جان کو جونکوں کی طرح چپک گئے ہو۔ کاش تم لوگ ہوتے ہی نہ میں اکیلی جان آسانی سے خودکشی تو کر سکتی تھی۔'' شہر بانو نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے غضبناک ہو کر حمزہ پر ہاتھ اٹھا دیا تھا۔ یہ اس گھر کے وہ بچے تھے جنہیں آج تک کسی نے خفگی سے بھی نہیں دیکھا تھا اور کجا ہاتھ اٹھانا تو بہت دور کی بات تھی۔ آناً فاناً یہ سب ہوا تھا۔ اس نے حمزہ کو دو کمر پر لگائے اور تھپڑ اس کے گلابی پھول سے رخساروں پر جڑ دیئے تھے۔ حمزہ کے لئے یہ بالکل غیر متوقع سزا تھی۔ اس نے تو چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ زیب النساء اس افتاد پر شہر بانو سے استفسار کرنے کے لئے پلٹی تھیں کہ معظم بڑی تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوا اس کے پیچھے نگی بھی تھی۔

''کیوں اٹھایا تم نے میرے بیٹے پر ہاتھ؟'' وہ بڑے کڑے تیور لئے شہر بانو کے نزدیک آ کر استفسار کر رہا تھا۔

''وہ میرا بھی کچھ لگتا ہے۔'' شہر بانو تو پہلے ہی آگ میں بھڑک رہی تھی۔ تڑخ کر اسے جواب دیا تھا۔

''ہاں...... اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم میری اولاد کو جان سے مار دو۔ میرا غصہ مجھ ہی پر اتارو میرے بچوں پر اگر آئندہ تم نے ہاتھ اٹھایا تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔'' اسے وارننگ دیتے ماں کے سامنے معظم اپنے غصہ کو نہ جانے کیسے ضبط کر رہا تھا۔ لیکن اس کا لہجہ درشت اور ہتک آمیز تھا۔

شہر بانو کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے کند چھری سے ذبح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ بھی نگی کے سامنے گو کہ اس نے ان کے درمیان کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی لیکن معظم نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں نے بیوی کو جوتے کی نوک پر رکھا ہوا ہے۔ اتنی توہین اتنی تذلیل...... اس کی آنکھوں میں دھند سی اتر آئی تھی۔ اور مارے ضبط کے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''معظم یہ کس انداز میں شہر بانو سے بات کر رہے ہو...... بیوی ہے وہ تمہاری۔'' معاً زیب النساء نے شہر بانو کی حالت کو دیکھتے ہوئے بیٹے کو بری طرح ڈانٹا تھا انہیں معظم کا انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے شہر بانو کی ٹانگوں سے لپٹے روتے ہوئے حمزہ کو بھی گود میں اٹھایا تھا۔

وہ دادی کی گود میں بھی چپ نہیں ہوا تو خاموش کھڑی نگی نے اسے اپنی گود میں لے لیا تھا۔

''آپ اپنی بہو کو نہیں سمجھا رہیں کس بے دردی سے اس نے حمزہ کو مارا ہے۔'' اس نے ماں کو نرمی سے جواب دیتے خاموش کھڑی شہر بانو کو گھور کر دیکھا تھا۔

''وہ حمزہ کی ماں ہے جان سے نہیں مار دیتی سنا تم نے۔'' انہوں نے اپنے قریب آتے عمیر کو گود میں اٹھاتے بیٹے کو گھرکا تھا۔ جو اس سارے معاملے پر سہم گیا تھا۔

''نگی اسے ادھر دو یہ تم سے چپ نہیں ہوگا۔'' شہر بانو نے سرد مہری سے کہتے ہوئے حمزہ کو اس کی گود سے گویا جھپٹ کر اپنے شانے سے لگایا اور حمزہ بھی گویا اسی انتظار میں تھا ایسی سخت مار کھانے کے باوجود ماں کے سینے سے لگتے ہی اس کے رونے کی آواز بند ہو گئی اور وہ ان سب کو نظر انداز کرتی وہاں سے بڑی تیزی سے

نکلی تھی۔
معظم اس کا انداز دیکھتا رہ گیا' جب سے نگی نے اس گھر میں دوبارہ قدم رکھے تھے تب سے تو وہ گویا بپھری ہوئی شیرنی بن گئی تھی۔ اس کے ہر ہر انداز سے مالکانہ جھلک نظر آ رہی تھی اور اب جیسے استحقاق سے نگی سے اپنا بیٹا چھین کر لے گئی تھی وہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔
نگی کے ساتھ جب وہ ڈھیروں وقت گزارنے کے بعد رات میں اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہ ماں بیٹے سوتے ہوئے نظر آئے۔ عمیر' حمزہ تو یقیناً سو رہے تھے لیکن کروٹیں بدلتی شہر بانو اسے سوتی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی معاً اپنی کاٹ میں سوتا ہوا عمیر پہلے تو کسمسایا..... پھر رونے لگا۔ معظم نے کمرے کی لائٹ جلاتے اسے فوراً اٹھایا کہ کہیں اس کی آواز سن کر حمزہ بھی نہ اٹھ جائے۔
''کیا..... بات ہے بیٹا..... عمیر کی پیشانی کو چومتے ہوئے وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس کی یہ کوشش بیکار گئی تو وہ دو قدم بڑھا کر بیڈ کی طرف پلٹا تھا۔
''شہر بانو! دیکھو یہ عمیر چپ نہیں ہو رہا کہیں اسے بھوک تو نہیں لگ رہی۔'' معظم بیٹے کو بہلاتے ہوئے شہر بانو سے مخاطب ہوا تھا۔
شہر بانو پہلے سے جاگ رہی تھی اسے آجکل نیند کہاں آتی تھی۔ اس وقت بھی مارے غصہ کے وہ دانستہ آواز نہیں دے رہی تھی وہ دوپہر والی اپنی بے عزتی بھولی نہیں تھی۔
''شہر بانو! بھئی دیکھو اسے کہیں حمزہ بھی نہ اٹھ جائے' اسے خاموش کرانے کی کوشش میں اس نے پھر شہر بانو کو پکارا تھا۔
''صبح سے نگی کے دل کو بہلا رہے تھے' اب ذرا بیٹے کو بھی بہلا لیں' یہ تو آپ کی اولاد ہے' کیا اس کے لئے آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔'' شہر بانو نے منہ سے کمبل اتار کر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔
''اوہ..... تو اس بات کا سوگ منایا جا رہا ہے۔ تمہیں تو میں آ کر بتاتا ہوں ذرا میں عمیر کو امی جان کے حوالے کر کے آؤں۔'' معظم نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا اور روتے ہوئے عمیر کو شانے سے لگا کر باہر نکل گیا تھا۔
''ہونہہ..... شاہ جی' اب کیا رہ گیا ہے بتانے کو نہ جانے آپ دونوں کون سا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ادھر محترمہ کا پروپوزل منظور ہو گیا ہے ادھر وہ پھر آپ سے عشق فرما رہی ہے۔' اس نے اپنے آنسو اندر ہی اندر پیتے ہوئے ایک بار پھر کمبل منہ تک اوڑھ لیا تھا۔ کمرے کی لائٹ بدستور روشن تھی۔
کچھ دیر بعد معظم اکیلا ہی کمرے میں داخل ہوا تھا اور بیڈ پر دراز ہوتے ہی اس کے منہ سے بڑے جارحانہ انداز میں کمبل کھینچا تھا۔
شہر بانو نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔ اس نے خفگی بھرے انداز میں معظم کی سمت دیکھا تھا۔
''ایک بات میری غور سے سن لو..... میں جو مرضی کروں..... تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔'' معظم دبے دبے غصہ میں بولا تھا۔
''تو کھل کر کریں جو کرنا ہے۔'' شہر بانو آگ بگولا ہوئی تھی۔ وہ کمبل ایک طرف کرتی اٹھ بیٹھی تھی۔
''وہ بھی کر لوں گا۔ فکر کیوں کرتی ہو۔'' معظم کے ہونٹوں پر اک دل جلانے والی مبہم سی مسکراہٹ تھی۔
شہر بانو مارے تاسف کے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
(تو پھر اس پروپوزل کو منظور کرنے کا ڈرامہ کیوں ہو رہا ہے؟)
وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کی سمت بڑھی تھی۔
''اب کیا نگی کی کلاس لینے جا رہی ہو؟'' معظم نے جلتی پر تیل ڈالا تھا۔
''جی نہیں..... اطمینان رکھئے میں عمیر کو لینے جا رہی ہوں۔'' وہ پٹ کر گویا غرائی تھی۔
''تو کیا باہر اس حلئے میں جاؤ گی۔ چلو میرے سامنے تو تمہارا یہ حلیہ قابل قبول ہے لیکن باہر ابھی تک ملازم جاگ رہے ہیں۔'' معظم نے بڑی گہری نظروں سے اس کے دلکش سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ دو بچوں کی ماں بننے کے بعد بھی اس کے سراپے میں ذرا برابر جھول نہیں آیا تھا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ حسین دکھائی دینے لگی تھی۔
اس کے احساس دلانے پر شہر بانو بری طرح خجالت کی لپیٹ میں آ گئی۔ وہ اس قدر جذباتی ہو کر اٹھی تھی کہ سرہانے پڑی شال اوڑھنا بھول گئی تھی۔
''یہ شال اوڑھ لیجئے محترمہ۔'' اس کی خجالت دیکھتے ہوئے بھی معظم نے اپنی نظروں کا زاویہ نہیں بدلا تھا بلکہ سرہانے پڑی سفید شال ہاتھ میں اٹھا کر لیٹے لیٹے ہی اس کی سمت بڑھائی تھی۔
گو کہ وہ اس کا محرم' اس کا شوہر تھا..... لیکن اس وقت اس کی سمت بڑھتے شہر بانو کے قدم گویا من من کے ہو گئے تھے اس نے میرون ویلوٹ کا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس سوٹ کا گلہ بہت گہرا تھا اس لئے وہ جب سردی میں یہ سوٹ استعمال کرتی تو بڑی سی شال ضرور اوڑھے رکھتی تھی۔
بیڈ کے قریب آ کر شہر بانو شال اس کے ہاتھ سے لے کر پلٹی تھی لیکن کچھ قدم چل کر ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ شال کا ایک کونا معظم کی مضبوط گرفت میں ہے۔
''شال چھوڑیں..... شاہ جی!'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اس کی سمت پلٹی تھی ان کے درمیان تین چار قدموں کا فاصلہ تھا۔
''چھڑا لو۔'' تکیے سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ ہنوز اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''کیا مصیبت ہے۔'' شہر بانو ایک تو بغیر شال کے اس کے سامنے بری طرح جھجک رہی تھی اوپر سے معظم کی یہ حرکت جو اس کی سمجھ سے باہر تھی اس نے تپ کر شال اپنی سمت کھینچی تھی لیکن نتیجہ کیا نکلا کہ معظم کی مضبوط گرفت نے اسے پورے کا پورا اپنی سمت کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے مضبوط سینے پر آ گری تھی۔ صرف چند لمحوں میں یہ سب ہوا تھا اس حرارت سے پروجود سے ٹکراتے ہوئے شہر بانو کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ ایک سنسناہٹ پورے وجود میں پھیلتی چلی گئی۔ بڑی سرعت سے وہ اٹھی تھی لیکن اس کے اردگرد معظم کی بانہوں کا ریشمی حصار بندھ گیا تھا۔ وہ جیسے بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔
''شاہ جی..... پلیز..... یہ..... یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' اس کی قربت اس وقت شہر بانو کے لئے انگاروں سے مشابہت رکھتی تھی وہ آج تک اپنی اول شب میں ہونے والی تذلیل بھولی نہیں تھی وہ تڑپ اٹھی تھی۔
معظم خاموش تھا۔ وہ اس کے وجود کی مسحور کن مہک اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ وہ اس پر پورا استحقاق رکھتا تھا لیکن ان حالات میں جب کہ وہ سچائی سے بے خبر تھی' ایسے میں وہ اس کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ معاً معظم کی نظر اس کی شفاف چمکتی مانگ پر پڑی تھی بے ساختہ وہ اپنے استحقاق کے پھول کھلاتا چلا گیا۔
''شاہ جی..... پلیز..... مجھے چھوڑیں پلیز۔'' اس کے سینے میں چہرہ چھپائے شہر بانو کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ دبے دبے غصہ میں وہ چلائی تھی۔
''ہاں..... سوچ رہا ہوں ہمیشہ کے لئے تمہیں چھوڑ دوں' اس طرح تم بھی کنارے لگو گی اور میری زندگی میں بھی نگی آ جائے گی۔'' معظم کے لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی۔
''سوچ کیوں رہے ہیں عمل کر لیں۔'' شہر بانو نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا یا پھر معظم نے ازخود اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔ اس کے سینے سے اپنی شال اٹھا کر وہ کمرے سے گویا بھاگی تھی۔ وہ اس بے درد شخص کے سامنے آنسو بہانا نہیں چاہتی تھی۔
اس بار معظم لمبی چھٹی پر آیا تھا..... اور یہ تمام چھٹیاں اس کی نگی کے ساتھ گزر رہی تھیں۔ شہر بانو کا کڑھ کڑھ کر برا حال تھا۔ ''پتہ نہیں نگی کی شادی فاروق حسن کیساتھ ہو گی بھی یا نہیں؟'' سارا وقت وہ یہی سوچتی رہتی تھی۔ جبکہ زیب النساء بے حد مطمئن نظر آ رہی تھیں۔ اس رات وہ شہر بانو کو کھانے کے بعد کافی کا حکم دے کر بیڈ روم سے متصل اپنے اسٹڈی روم میں گھس گیا تھا۔ خلاف توقع آج اس نے نگی کو ذرا کم ٹائم دیا تھا۔ خیر شہر بانو کو اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ پہلے اس نے عمیر اور حمزہ کو سلایا پھر کچن میں جا کر اس کے لئے کافی بنائی اور اپنے دل کے فیصلے پر مضبوطی سے قائم ہوتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلی آئی۔ وہ کمپیوٹر کے ساتھ مصروف تھا۔ ٹیبل پر ایک فائل کھلی ہوئی تھی اور ''کی بورڈ'' پر اس کی انگلیاں بڑی تیزی سے چل رہی تھیں۔ شاید وہ اپنے آفس کا کوئی کام کر رہا تھا۔ آہٹ پر وہ شہر بانو کی موجودگی محسوس کر چکا تھا لیکن اپنی مصروفیت سے سر نہیں اٹھایا تھا۔
''آ..... آپ نگی سے شادی کر لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' کافی کا مگ میز پر مناسب جگہ پر رکھتے شہر بانو نے یکلخت اپنے دل کا فیصلہ اسے سنا دیا۔ دل کا کیا تھا اگر وہ پھر بے ایمان ہو جاتا تو وہ کیا کرتی۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔
''تم اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہو؟'' معظم نے برجستہ کہا تھا۔ اسے اب اپنے سارے کام بھول گئے تھے وہ پوری طرح شہر بانو کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ بڑی سلیقہ مند اور نفاست پسند لڑکی تھی لیکن آج وہ اس کے سامنے دو دن کے ملگجے لباس میں موجود تھی بالوں کی مخصوص سادہ سی چوٹی تھی لیکن چہرے کے اردگرد چھوٹی چھوٹی لٹوں نے پورے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ یوں جیسے بدلیوں سے جھانکتا چاند' آنکھوں پر جھکی خم دار پلکیں اور نچلا لب کاٹتی..... معظم اسے بے حد دلچسپی سے دیکھ رہا تھا بلکہ اس کا ایمان بری طرح متزلزل ہو رہا تھا لیکن وہ خود سے عہد کر چکا تھا کہ اسے اب اس طرح نہیں چھونا' ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔
''ٹھیک ہے' جو بھی آپ کا فیصلہ ہے وہ مجھے منظور ہے۔'' شہر بانو نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔ معظم کی دیدہ دلیری پر اس کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا تھا۔
''ویسے شہر بانو' تم اتنی بڑی قربانی دے رہی ہو تو تمہیں اس کا کچھ تو صلہ ملنا چاہئے۔ اور ویسے بھی میں بچوں کی وجہ سے تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ میں چاہتا ہوں اب تمہاری حق تلفی نہ ہو۔'' یکلخت وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے میں ایک نرمی ایک ملائمت اتر آئی تھی۔ شاید محبتوں سے گندھے جذبات بھی تھے۔ اس نے شہر بانو کی کمر میں اپنے دونوں بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے نزدیک کرنا چاہا تھا۔
''شاہ جی..... آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ آپ کی زندگی میں میری کیا حیثیت ہے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں استفسار کر رہی تھی۔ وہ شخص جو اس کے قریب نہیں آتا تھا۔ آج کل اس کے یہ انداز قربت شہر بانو کی پریشانی میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس نے غصہ میں آتے ہوئے ایک جھٹکے سے معظم کی بانہوں کا حصار توڑا تھا۔
''وہ بھی کبھی فرصت میں بتاؤں گا۔ فی الحال تو میں نے سوچا ہے کہ اگر ایک مہینہ نگی کو اپنے ساتھ رکھوں گا تو دو مہینے تمہیں اپنے ساتھ۔''
''خدا کے لئے بس کیجئے شاہ جی..... بس کیجئے' یہ مہینے اور دن اپنے پاس رکھیں' مجھے کسی کا صدقہ خیرات نہیں چاہئے۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پھٹ پڑی تھی۔ معظم کی باتیں اس کے سینے میں تیر بن کر لگ رہی تھیں۔ آنسو یکلخت رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔
معظم کے لئے یہ آنسو بڑے قیمتی تھے اس نے جھک کر انہیں شرف قبولیت بخشا تھا۔ اس کی جسارت پر شہر بانو پوری جان سے کانپ اٹھی تھی' گو وہ اس کا محرم تھا لیکن اس کے انداز بالکل نئے تھے۔
''تم..... جاؤ..... اب'' معظم نے خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے ہوئے رخ اس کی سمت سے موڑ کر کھردرے لہجے میں کہا تھا۔
شہر بانو اجازت ملنے پر گویا بھاگی تھی' اپنے بیڈ پر آ کر وہ ایسے گری جیسے کوئی لمبی مسافت طے کر کے آ رہی ہو پھر بھیگی بھیگی پلکیں لئے نیند کی آغوش میں جاتے ہوئے اسے اتنا احساس ضرور ہوا تھا کہ کسی نے بڑی آہستگی سے اسے نرم کمبل اوڑھایا تھا اور اس کی پیشانی کو اپنے پرحدت ہونٹوں کا لمس دیا تھا۔ وہ کسمسائی ضرور

تھی لیکن بیدار نہیں ہوئی تھی کیونکہ نیند نے اسے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

دوسری صبح مکرم علی شاہ اسلام آباد سے اپنے دوست عتیق حسن اور ان کے بیٹے فاروق حسن کے ساتھ گھر پہنچ گئے۔ شہر بانو کے لئے تو ان لوگوں کی آمد اچانک تھی لیکن اسے یوں محسوس ہوا کہ زیب النساء اور معظم نگی ان لوگوں کی آمد کے بارے میں پہلے سے جانتے تھے۔ فاروق حسن کی بھی والدہ حیات نہیں تھیں۔ باپ بیٹے پر مشتمل یہ چھوٹا سا خاندان تھا۔ مکرم علی شاہ کے تعارف کرانے پر وہ باپ بیٹا شہر بانو سے بہت اچھے طریقے سے ملے تھے۔ دیکھنے میں فاروق حسن بے حد سلجھا ہوا اور ہینڈسم نوجوان تھا۔ اپنا بزنس سنبھالتا تھا۔ شہر بانو کو تو وہ نگی کے لئے ایک بہترین ساتھی لگا تھا۔ پھر اسی دن نگی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی۔ اسی مہینے کے آخر میں اس کی شادی تھی۔ زیب النساء اور مکرم علی شاہ اس کام کو انجام تک پہنچا کر بے حد خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ نگی بھی خوش دکھائی دے رہی تھی اور معظم اس کی ڈیٹ فکس ہوتے ہی کراچی روانہ ہوگیا تھا۔ شہر بانو کو حسرت رہ گئی کہ وہ اس کے تاثرات دیکھتی۔ ایک طرح سے وہ حیران تھی کہ کل رات تک تو وہ نگی سے شادی کو تیار تھا اور اب اسے کسی اور کا ہوتا دیکھ کر خاموشی سے میدان چھوڑ گیا۔ کئی بار اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ زیب النساء سے اس بات کو شیئر کرے لیکن پھر وہ خاموش ہوگئی۔ ہوسکتا ہے وہ بے خبر ہوں یہ صرف نگی اور معظم کا ہی پروگرام ہو لیکن نگی نے اتنی آسانی سے اس رشتے کو قبول کیسے کرلیا وہ تو اس پروپوزل پر رو رو کر معظم کے سامنے انکار کر رہی تھی۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو رہا تھا۔ دوسرے دن مکرم علی شاہ کے دوست اور بیٹے کی اسلام آباد واپسی ہوگئی تھی۔

مکرم علی شاہ نگی کی شادی تک ادھر ہی تھے۔ زیب النساء شاہدہ بیگم کی بہوؤں کو بازار لے جاتیں' کبھی شہر بانو کو لے جاتیں بظاہر وہ بے حد نارمل اور خوش نظر آ رہی تھیں اور ان کے یہ رنگ ڈھنگ شہر بانو کو حیران کر رہے تھے۔ پھر نگی کی شادی کا دن بھی آ گیا۔ معظم بھی ایک دن پہلے پہنچا تھا۔ شہر بانو نے چپکے چپکے کئی بار اس کا جائزہ لیا تھا لیکن وہ اس کے بے تاثر چہرے سے کچھ بھی اخذ نہ کرسکی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے نگی فاروق حسن کے ساتھ رخصت ہوگئی تھی۔ تیسرے دن اس کا ولیمہ تھا وہ سب بھی اسلام آباد ولیمہ کی تقریب میں گئے تھے۔ شہر بانو نے نگی کو فاروق حسن کے ساتھ بے حد خوش دیکھا تھا۔ ولیمہ کی تقریب سے واپسی پر نگی ان کے ساتھ نہیں آئی تھی کیونکہ اس کی ہنی مون کی تیاری تھی۔ اس کے سسران کو فارن کنٹری بھیجنے کی ٹکٹیں تیار کروا چکے تھے۔ مکرم علی شاہ اپنی فیملی کے ساتھ واپس آ گئے تھے۔ زندگی پھر معمول پر آ گئی تھی۔ لیکن مکرم علی شاہ اور معظم فی الحال گھر میں ہی نظر آ رہے تھے۔ نگی کا فون روز آتا تھا۔ اس کی زندگی بھی کنارے لگ گئی تھی۔ ایک بے کنار تھی تو وہ ابھی تک شہر بانو کی زندگی تھی۔ مکرم علی شاہ بھی اب سیاست سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اب وہ کراچی میں اپنا بزنس سنبھالنا چاہتے تھے' ان کا یہ فیصلہ معظم کو بے حد پسند آیا تھا۔ اس طرح اس کے والدین اس کے پاس شفٹ ہو رہے تھے۔ شہر بانو بھی ساری خبریں سن رہی تھی لیکن اسے معظم کی خاموشی بہت عجیب محسوس ہو رہی تھی۔

نگی کی شادی کو آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ وہ معمول کے مطابق ناشتے کے بعد اپنے بیڈروم کی صفائی خود کر رہی تھی (کسی ملازمہ سے وہ اپنے بیڈروم کی صفائی نہیں کرواتی تھی) بچے دادا' دادی کے پاس تھے اور معظم بھی انہی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

کافی دیر بعد معظم بیڈروم میں داخل ہوا تھا لیکن وہ اسے نظر انداز کئے اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ نگی کی شادی سے لے کر اب تک ان کے درمیان برائے نام بات چیت چل رہی تھی۔

''ایسا کرو شہر بانو..... تم اپنے اور بچوں کے کپڑوں کی پیکنگ کرلو اور ہاں گرم کپڑے ضرور رکھنا باقی تو کوئی چیز اٹھانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے بڑے نپے تلے الفاظ میں بات کرنے کی ابتدا کی تھی۔

''کپڑوں کی پیکنگ..... لیکن کیوں..... اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ اپنے ہی دھیان میں کارپٹ پر جھکی بچوں کے کھلونے سمیٹ رہی تھی یکلخت چونک اٹھی تھی۔

''تم اور بچے کل صبح میرے ساتھ کراچی جا رہے ہو۔'' معظم کا لہجہ نارمل تھا۔

''کک..... کیوں؟'' ان ڈھائی سالوں میں وہ پہلی بار اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہہ رہا تھا۔ شہر بانو کی حیرت فطری تھی۔ اس کے ہاتھوں سے کھلونوں کی باسکٹ چھوٹ کر کارپٹ پر گر گئی تھی۔

''بیوی بچوں کو کیوں ساتھ رکھا جاتا ہے؟'' معظم سنجیدہ لہجے میں الٹا اسی سے سوال کر رہا تھا۔ کاٹن کا سرمئی اسٹائلش کرتا شلوار زیب تن کئے پیروں میں سیاہ لیدر کے سلیپر پہنے اس کی سحر انگیز شخصیت پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

''شاہ جی! میں اتنا تو جان چکی ہوں کہ میری زندگی میں اب کوئی گلستان نہیں ہے اور آپ کی یہ فرمائش مزید میرے دکھوں میں اضافہ کر رہی ہے۔'' شہر بانو کا لہجہ سپاٹ تھا۔ اس کے اندر ایک آگ جلنا شروع ہوگئی تھی۔

''شہر بانو' میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ شدید محبت۔'' معظم نے اس کے قریب آتے بلا جھجک اظہار کیا تھا کیونکہ اب وقت آ گیا تھا۔ اسے سچائی بتانے کا وہ اسے اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا تھا۔

''دھڑ..... دھڑ.....'' شہر بانو کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی چھت اس پر آ گری ہو۔ یہ کیسا انکشاف تھا جس نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

''ہاں..... شہر بانو میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں..... مجھے میرے پچھلے رویوں پر معاف کردو۔ میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔'' وہ اس وقت واقعی نادم دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے شہر بانو کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے تھے۔

''شاہ جی..... آ..... آپ کا..... یہ مذاق بہت گھٹیا ہے۔ اتنا ذلیل نہ کریں۔ سید معظم علی شاہ جس شخص کے دل میں آج تک نگی کا بسیرا ہے وہاں شہر بانو کو کیسے جگہ مل سکتی ہے۔ میں تو ابھی تک اس شادی پر حیران ہوں..... شہر بانو سے محبت یہ بھی آپ نے خوب کہا۔'' شہر بانو نے دل کی بھڑاس نکالتے اپنا ہی تمسخر اڑایا تھا۔

''کیوں نہیں ہوسکتی شہر بانو سے محبت..... جب شہر بانو سید معظم علی شاہ سے ایک عرصے سے محبت کر رہی ہے تو سید معظم علی شاہ اس جرم کا مرتکب کیوں نہیں ہوسکتا۔ اس نے مہکتے جذبوں سے چور شہر بانو کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''یہ..... آپ کی خوش فہمی ہے۔ مجھے آپ سے کبھی محبت نہیں تھی' اور اب تو یہ سمجھوتا صرف بچوں کی وجہ سے آپ کے ساتھ چل رہا ہے۔'' شہر بانو نے کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے گویا اپنا بچاؤ کیا۔ اس کے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے۔ دل کی دنیا میں یکلخت بھونچال آیا تھا..... ''یہ شاہ جی کو میری محبت کی بھنک کس طرح پڑ گئی؟''

''کیا کہا..... مجھے خوش فہمی ہے۔'' معظم کا موڈ یکلخت بگڑا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس کے شانوں سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور پلٹ کر وارڈروب کی سمت بڑھا چند لمحوں بعد ہی واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں وہی دوپٹہ تھا جس سے کبھی شہر بانو نے اس کا زخم صاف کیا تھا۔ دوپٹے پر خون کے نشان آج بھی لگے ہوئے تھے۔ وہ اسے سوالیہ انداز میں گھور رہا تھا۔

شہر بانو اس کے ہاتھ میں دوپٹہ دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

''محبت تو آپ مجھ سے کرتی نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟'' معظم سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے دوپٹہ اسے دکھاتے کچھ جتا رہا تھا۔

''یہ..... یہ..... میرا بہت قیمتی دوپٹہ تھا۔ اسی لئے مم..... میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔'' شہر بانو بری طرح گھبرائی تھی لیکن پھر اسے جواب دے ہی دیا۔

''لیکن کام تو تم نے پکا عاشقوں والا کیا ہوا ہے۔ اس کے مسلسل انکار پر معظم کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے شہر بانو کو گویا چاروں طرف سے گھیرنا چاہا تھا۔

''جی..... نہیں ادھر دیں دوپٹہ..... آپ کی یہ غلط فہمی ابھی دور کر دیتی ہوں۔'' شہر بانو نے تپ کر دوپٹہ اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے کارپٹ پر پھینک دیا۔ وہ اس کے سامنے کسی قیمت پر کھلنا نہیں چاہتی تھی۔

''تم..... کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔'' معظم تو اسے بے نقاب کرنے آیا تھا اور وہ یہاں کوئی سرا ہی نہیں پکڑا رہی تھی۔ اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔

''پہلے آپ یہ ثابت کریں شاہ جی کہ ایک اغواء شدہ لڑکی سے آپ کو محبت کیسے ہوگئی.....؟ آپ ہی نے کہا تھا ناں..... امی جان سے کہ ''میں کیسے ایک اغواء شدہ لڑکی سے شادی کرلوں۔'' میرے دل میں آج بھی یہ بات کسی تیر کی طرح پیوست ہے شاہ جی۔'' شہر بانو غصہ میں پھنکاری تھی۔

''چٹاخ.....'' معاً معظم کا ہاتھ مارے طیش کے بے ساختہ اس کے رخسار پر اٹھا تھا۔

اس افتاد پر وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی لیکن دیوار کا سہارا لے کر وہ سنبھل گئی تھی اور آنکھوں میں تحیر لئے اس کی سمت دیکھنے لگی۔ زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن آنسو رخساروں پر جھر جھر بہہ نکلے تھے۔

''آج تو تم نے یہ بات کی ہے لیکن آئندہ بھولے سے بھی نہ کہنا..... میں نے پہلے ہی مقام پر تم سے معافی مانگی تھی۔'' معظم اسے قہر برساتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

شہر بانو لب سیئے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے معظم کو اتنے شدید غصے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ایسا جلال تو اسے تب بھی نہیں آیا تھا جب اسے شہر بانو سے زبردستی شادی پر مجبور کیا گیا تھا۔

''اور ہاں سنو..... نگی سے اگر میں شادی کرنا چاہتا تو اس کے لئے اب مجھے کوئی روک نہیں سکتا تھا لیکن جانتی ہو..... اس نے میری محبت کو انسیت کا نام دیا تھا۔ میری محبت کا مذاق اڑایا تھا۔ اسے کبھی مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ ایک کزن کی حیثیت سے تو میں نے اسے قبول کرلیا تھا لیکن ایک محبت کی حیثیت سے اب میں اسے قبول نہیں کرسکتا تھا۔ ایک ایسی لڑکی جو وقت پڑنے پر پھر مجھ سے محبت کے دعوے کرے اور اپنی غلطی پر نادم ہو یہ تو پھر اس کی غرض ہوئی ناں اور میرے دل میں ایسے خودغرض لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حالانکہ نگی نے مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس سے شادی کرلوں اور بے شک تمہیں اور بچوں کو اپنے ساتھ رکھوں اور اسے ادھر امی جان اور بابا جان کے پاس رہنے دوں لیکن میں نے اسے صاف انکار کر دیا تھا کہ میں اپنی بیوی کو یہ دکھ نہیں دے سکتا' میں نے جو اسے اتنا وقت دیا تو صرف یہی سمجھانے کے لئے کہ اب وہ نہیں ہوسکتا جو وہ چاہتی ہے..... میری طرف سے اس نے مکمل انکار پر فاروق حسن سے شادی پر حامی بھری تھی۔ اور یہ جو تم پر میں غصہ کرتا تھا نگی کے حوالے سے باتیں کرتا تھا تو صرف تمہیں آزمانے کی خاطر لیکن محترمہ تو مجھے کھلے عام اس سے شادی کی دعوت دے رہی تھیں اور تمہارے ضبط پر ہی مجھے غصہ آتا تھا۔ میں اس بے وفا عورت سے کیوں وفا کرتا جس نے میری محبت کا مذاق اڑایا۔ جس نے میری محبت کو ہمیشہ اپنی ٹھوکروں میں رکھا۔ میں اس عورت سے کیوں نہ وفا کروں جو ایک عرصہ سے مجھ سے محبت کر رہی ہے' یہ ٹھیک ہے کہ میں اس شادی پر خوش نہیں تھا لیکن تمہاری خاموش محبت اور وفا کے آگے میں مسلسل ڈھائی سال سے آہستہ آہستہ ہار رہا تھا اور نگی کی واپسی پر میں مکمل طور پر تمہاری وفا کے سامنے ہار گیا تھا۔ اسے سمجھوتے کا نام مت دینا' بلکہ یہ میری محبت ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔'' معظم اسے سچائی بتاتے ہوئے غصہ اور طیش کی انتہا پر کھڑا تھا اس نے سہمی ہوئی شہر بانو پر ایک خفگی بھری نگاہ ڈالی اور کمرے سے کسی آندھی طوفان کی طرح باہر نکلا تھا۔

اور شہر بانو میں اب کھڑے رہنے کی سکت نہیں تھی وہ حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھاتی بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔ آنسو تھے کہ ایک تواتر سے بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔

سید معظم علی شاہ ..... یہ کیسی سچائی کا اعلان کر کے گیا تھا۔ اس کا دل یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھا۔
لیکن دماغ کہہ رہا تھا کہ وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا۔
وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں بیٹھی تھی لیکن اس کے التفات اور کچھ عرصہ پہلے کی چھیڑ چھاڑ یاد آ رہی تھی۔
معاً کمرے میں فتاں وخیزاں زیب النساء داخل ہوئیں۔
''شہر بانو ..... کیا ہوا بیٹا .....؟ وہ تو بہت غصے میں باہر نکلا ہے۔ کیا لڑائی ہوگئی تم دونوں میں۔ یہ تو شکر تھا تمہارے بابا جان اپنے مہمانوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے ورنہ وہ بھی یہ تماشہ دیکھ لیتے۔'' وہ زور وشور سے بولتی ہوئیں شہر بانو کے قریب ہی بیڈ پر ٹک گئیں۔
''امی جان ..... وہ سسکتی ہوئی ان کے شانے سے لگ گئی اور روتے ہوئے پوری روداد انہیں سنا ڈالی۔
''وہ تو جذباتی ہے' لیکن تم نے بھی بے وقوفی کی' اتنے سوال جواب کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی' جیسے کہہ رہا تھا کر لیتیں ..... اور دیکھو بیٹا یہ نگی والا سلسلہ ہم ماں بیٹے کو معلوم تھا لیکن تمہارے بابا جان کو اس بات سے لاعلم رکھا تھا خواہ مخواہ وہ پریشان ہوتے اور تمہیں بھی اسی لئے بے خبر رکھا تھا کہ تمہاری حالت بھی میرے سامنے تھی' یہ تو معظم کے صاف انکار پر اس نے فاروق حسن سے شادی کی حامی بھری تھی' دیکھو بیٹا بے شک نگی ہمارا خون ہے لیکن اس کے بدلے اب ہم تمہارا گھر بھی خراب نہیں کر سکتے تھے۔ اور پھر دیکھ لو وقت نے ثابت کر دیا' معظم کو اچھے برے کی پہچان ہوگئی۔'' زیب النساء اسے حقیقت بتاتے بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔
شہر بانو ..... ان کے شانے سے سر اٹھاتے ایک بار پھر حیرت میں مبتلا تھی۔
''اس نے کل ہی مجھ سے اور تمہارے بابا جان سے بات کی تھی کہ تمہیں اور بچوں کو لے کر پہلے تو دو دن کے لئے کراچی جائے گا' پھر آگے بھی تفریح کے لئے مری' سوات' بھوربن' جانے کا کہہ رہا تھا اور مزید پندرہ دن کی چھٹیاں بھی لی ہیں۔ میں اور تمہارے بابا جان تو بہت خوش تھے کہ چلو شادی کے اتنے عرصے بعد اسے تمہارا اور بچوں کا کچھ خیال تو آیا' ورنہ اس کے پاس تو اپنی جاب میں کسی کے لئے وقت ہی نہیں نکلتا۔'' زیب النساء بڑے خوشگوار موڈ میں اسے تمام پروگرام بتا رہی تھیں۔
''امی جان ..... وہ تو بہت خفا ہو کر نکلے ہیں۔ ان کی باتیں سن کر شہر بانو کی حالت شادی مرگ جیسی ہو رہی تھی لیکن معظم کی خفگی بھی اس کے سر پر سوار تھی۔ وہ پریشانی سے گویا ہوئی تھی۔
''آ جائے گا ..... فکر نہ کرو' ایک بار مناؤ گی تو وہ تمہیں ہزار بار منائے گا۔ چلو شاباش یہ آنسو صاف کرو اور اپنی تیاری کرو جانے کی۔'' زیب النساء پیار و شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کر اور باہر نکل گئیں۔
اور پھر جیسے شہر بانو کا وقت نہیں گزر رہا تھا۔ وہ صبح سے نکلا دوپہر ہوگئی لیکن اس کے گھر آنے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہاں شام میں اس نے ماں کو فون کر کے یہ اطلاع دینا ضروری سمجھی تھی کہ میں شاہدہ پھوپو کے گھر میں ہوں رات تک آؤں گا .....
شہر بانو نے اب رات کی آس لگا لی تھی۔ انتظار کر کر کے اس کا برا حال تھا۔
رات کے کھانے کے بعد مکرم علی شاہ اور زیب النساء تو اپنی خواب گاہ میں چلے گئے' رہ گئی شہر بانو تو وہ بھی اس کی راہ دیکھ دیکھ کر عمیر اور حمزہ کو سلانے لگی۔ ان دونوں کو سلا کر اپنے بیڈ روم سے باہر نکلی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ صرف کچن کے آخری کام نمٹا کر سکینہ (ملازمہ) باہر نکلی تو اس سے معلوم ہوا کہ معظم آدھے گھنٹے پہلے گھر آ چکا ہے۔ اور اس وقت چھت پر ہے۔ سکینہ اسے چھت پر چائے دے کر آئی تھی۔ یہ معلومات اس نے خود شہر بانو کو دی تھیں۔ شہر بانو نے ساری روداد سن کر اسے اس کے کوارٹر کی طرف چلتا کیا اور خود ادھر ہی کھڑی رہی۔
''یعنی کمرے کا بھی بائیکاٹ اتنی ناراضگی۔'' چند لمحوں کے لئے اس نے کچھ سوچا پھر کچن اور ڈائننگ ہال کے احاطے سے نکل کر لمبی چوڑی راہداری عبور کرتی چھت کی سیڑھیوں کی طرف آ گئی۔ آج اس کے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی' بلکہ بڑے اعتماد سے سنگ مرمر کے چوڑے چوڑے اسٹیپ چڑھتی اوپر چلی آئی۔ وسیع وعریض چھت پر اس وقت گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اور پورے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ موسم بدل چکا تھا لہٰذا سردی کا احساس اچھا خاصا ہو رہا تھا۔ چھت پر رنگین پایوں والے بان کے پلنگ بھی موجود تھے لیکن معظم اسے ایک منڈھیر کے پاس کھڑا نظر آیا۔ اس کی چوڑی پشت شہر بانو کی سمت تھی اور نگاہ سامنے مرکوز تھی۔
معظم نے طلائی چوڑیوں کی جلترنگ بغور سنی تھی اور قدموں کی چاپ بھی لیکن وہ پلٹا نہیں تھا۔
''شاہ جی! یہ روٹھی ہوئی محبوبہ کا روپ آپ پر ذرا بھی اچھا نہیں لگ رہا۔'' اس کے نزدیک پہنچ کر شہر بانو نے بڑی آہستگی سے اس کی پشت پر اپنی پیشانی ٹکاتے ہوئے بانہوں کا حصار اس کے گرد کھینچ دیا تھا۔ دوسری طرف مکمل طور پر خاموشی تھی۔ شہر بانو کی اس جسارت پر ذرا بھی مزاحمت نہ ہوئی بلکہ اس کے نرم گداز اور مسحور کن لمس نے معظم کے جذبات میں ہلچل سی مچا دی تھی۔
''ہوں تو جناب نے ''چپ شاہ'' کا روزہ رکھ لیا ہے۔ یہ بھی خوب کی آپ نے میرے ساتھ' خود تو اپنی محبت کا اعلان کر کے آ گئے اور دوسرے فریق کو سوچنے کا بھی موقع نہیں دے رہے۔ ذرا یہ تو سوچتے شاہ جی کہ جس شہر بانو سے آپ نے ڈھائی سال نفرت کا اظہار کیا' اسے آپ کی محبت کا اتنی جلدی یقین کیسے آئے گا۔ یقین آتے بھی تو وقت لگے گا ناں۔'' وہ ہنوز اسی پوزیشن میں اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ لیکن لہجے میں ہلکا سا شکوہ در آیا تھا۔
''نفرت کہہ کر تم میرے جذبات کی توہین کر رہی ہو۔ ہاں میرے اس انداز کو تم بیزاری اور جھنجلاہٹ کا نام دے سکتی ہو۔'' معظم نے سنجیدگی لئے کفر توڑا بھی تو اپنا ہی دفاع کیا تھا۔
''چلیں ..... جناب آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں گے۔'' شہر بانو بے ساختہ مسکرائی اور معظم سے الگ ہو کر اسی رخ پر آ کھڑی ہوئی جس پر وہ کھڑا تھا۔
''یعنی کہ تمہیں ابھی بھی مجھ پر شک ہے؟'' معظم نے پوری سنجیدگی سے شہر بانو کی سمت دیکھا تھا۔ چاند کی دودھیا روشنی میں وہ سرخ گرم سوٹ میں کسی گڑیا کی مانند لگ رہی تھی۔ صبح والی باتوں کا اس کے چہرے پر شائبہ تک نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت اس کے چہرے پر کچھ پا لینے کی چمک بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔ جو معظم کی آنکھوں کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔
معظم کا انداز یکلخت معنی خیز ہوا تھا۔ سنجیدگی کی جگہ ایک نرمی اور لگاوٹ سی اتر آئی تھی ان دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا۔
''میں ..... تو ..... شاہ جی ..... آپ کے بے حد قریب ہوں .....'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور پلٹ گئی تھی۔
''ادھر آ جاؤ شرافت سے ..... تم مجھے منانے آئی تھیں اور ایسے ہی جا رہی ہو۔'' معظم نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔ وہ بڑی شریر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''یعنی کہ ابھی تک آپ مانے ہی نہیں ہیں۔ ایس پی صاحب ..... ویسے میں آپ پر کون سی دفعہ لگاؤں۔'' شہر بانو بھی شریر ہوئی تھی۔
''پیار کی دفعہ لگا دو۔ آیا سمجھ میں۔'' معظم نے تمام فاصلے ختم کر کے جذبوں سے بوجھل ہوتے لہجے میں اسے بڑی محبت سے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔
یہ چاہتیں' یہ محبتیں شہر بانو کے لئے بالکل نئی تھیں۔ اس کی بے قرار روح کو جیسے قرار سا آ گیا تھا۔ وہ خاموش تھی لیکن اس کی دھڑکنیں معظم کی دھڑکنوں کا جواب دے رہی تھیں۔
''ادھر سنو ..... ہم اپنے ہنی مون پر جا رہے ہیں۔''
شہر بانو کو اپنی بانہوں میں سمیٹے اپنے استحقاق کے پھول اس پر نچھاور کرتے وہ اس کی سماعتوں کے قریب سرگوشیاں کر رہا تھا۔
''شاہ جی ..... ہمارے ماشاء اللہ سے دو بیٹے ہیں' ان کے ساتھ ہنی مون .....'' اس کی بانہوں میں چھپی وہ بری طرح شرماتے استفسار کر رہی تھی۔
''ہوں ..... ہم نئی روایات قائم کریں گے۔ لوگ بچوں کی آمد سے پہلے جاتے ہیں ..... ہم اپنے بچوں کے ساتھ جائیں گے۔'' معظم نے جواباً شریر سا قہقہہ لگایا تھا۔
پھر وہ دونوں سیڑھیوں کی طرف بڑھے تھے۔
''میں نے کوئی پیکنگ وغیرہ نہیں کی ہے شاہ جی ..... اب آپ کو میرے ساتھ پیکنگ کروانی ہے۔'' شہر بانو اس کے ساتھ سیڑھیاں اترتے بڑے مان بھرے انداز میں گویا ہوئی تھی۔
''اور حکم ..... جان شاہ جی .....'' معظم نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسی کا انداز اپنایا تھا۔ شہر بانو کے قرب نے اس کے وجود کو سرشار کر دیا تھا۔ اس کا یہ طرز تخاطب اسے ہمیشہ ہی اچھا لگا تھا۔ لیکن آج تو بات ہی کچھ اور تھی۔
''اچھا ..... یہ ''جان'' والا حادثہ کب ہوا؟'' ریلنگ پکڑے سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ یکلخت رک کر انتہائی شریر انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی۔
''بیڈ روم میں چلو ..... پھر تفصیل سے بتاتا ہوں۔'' معظم کا جواب معنی خیز اور برجستہ تھا۔
''شاہ جی ..... توبہ ہے آپ سے تو۔'' وہ تو بری طرح سرخ ہوتی سٹپٹا کر باقی سیڑھیاں بڑی تیزی سے اتر گئی تھی۔
معظم کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ بھی اس کی تقلید میں بڑی تیزی سے سیڑھیاں اترا تھا۔ آج اس کے وجود میں سچی خوشی نظر آ رہی تھی۔